

اسلام کی سیرتِ تقیہ

# فلسفہٴ تقیہ

[www.sirat-e-mustaqeem.net](http://www.sirat-e-mustaqeem.net)

مقدمہ : ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

تصنیف : آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ و تلخیص : سید مختار حسین جعفری کشمیری

ضمیمہ : ایک محقق

اسلام کی سیرتقیہ

# فلسفہ فقیرؒ

ڈاکٹر محمد تبک سکروو

مقدمہ : ڈاکٹر محمد تبک سمانی  
تالیف : آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی  
ترجمہ و تلخیص : سید مختار حسین جعفری کشمیری  
ضمیمہ : ایک محقق

ناشر :

رحمت اللہ تبک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر کراچی نمبر ۴۰۰۰،

فون : ۲۲۳۱۵۷۷

# فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۲	مقدمہ ڈاکٹر محمد تبجانی سماوی	۱
۱۳	تقیہ معرکتہ الآرا موضوع بحث	۲
۱۵	مقدمہ مترجم	۳
۲۳	حرفِ آغاز	۴
۲۵	تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۵
۲۸	تقیہ کا حکم تکلیفی	۶
۳۵	احادیثِ تقیہ	۷
۳۵	پہلا طائفہ	
۳۷	دوسرا طائفہ	
۳۸	تیسرا طائفہ	
۴۲	چوتھا طائفہ	
۴۷	چند ضروری امور	۸
۴۷	اول تقیہ میں اس قدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے؟	
۴۸	پہلی وجہ	
۴۹	دوسری وجہ	
۵۳	۱۔ تقیہ کی غرض و غایت اور اس کی قسمیں	



صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۵۴	۲۔ وجوب تقیہ کے موارد	
۵۵	ایک ضروری آگاہی	
۵۷	موارد حرمت تقیہ	۹
۵۷	۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں	
۶۱	۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں	
۶۲	۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے۔	
۶۶	۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے۔	
۶۷	تذکرہ	
۶۸	۱۰۔ اختیار کفر اور ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم	
۷۵	روایات تفصیل	
۷۷	دوسری بحث	
۸۱	احادیث کے مضامین میں ہم آہنگی کا طریقہ	
۸۴	تقیہ پڑھی گئی بناز کا حکم	۱۱
۹۳	تقیہ سے متعلق ضروری مسائل (تبہہات)	۱۲
۹۳	بھلا مسئلہ: کیا تقیہ مخالف مذہب کے ساتھ مخصوص ہے؟	
۹۶	دوسرا مسئلہ: تقیہ موضوعات میں	
۱۰۰	مسئلہ اکراہ اور تقیہ	
۱۰۴	تیسرا مسئلہ: آیا تقیہ کی شروعات کے لئے فرار کا راستہ نہ ہونا	
۱۰۶	معتبر ہے یا نہیں؟	
۱۱۰	لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے کہ	
	چوتھا مسئلہ: محور تقیہ خوف شخصی ہے یا خوف نوعی	

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۱۰	پہلی صورت	
۱۱۱	دوسری صورت	
۱۱۱	پہلی صورت کا حکم	
۱۱۲	دوسری صورت کا حکم	
۱۱۴	پانچواں مسئلہ: موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت	
۱۱۵	چھٹا مسئلہ: تقیہ کے بعد	
۱۱۸	ساتواں مسئلہ: آیا تقیہ واجب نفسی ہے یا واجب غیری؟	
۱۱۹	آٹھواں مسئلہ: تقیہ کی تیسری قسم	
۱۲۳	ضمیمہ بیٹ تقیہ	۱۳
۱۳۴	ایک صعب المرور منزل	۱۴
۱۳۹	امیر المومنینؑ کی ایک تین فضیلت	۱۵
۱۴۰	امام غزالی کا فتویٰ	۱۶
۱۴۰	امام زعفرانی کا قول	۱۷
۱۴۰	امام فخر الدین رازی کی رائے	۱۸
۱۴۱	ابن حجر کا مقولہ تقیہ کے بارے میں	۱۹
۱۴۲	صحابہ و تابعین نے تقیہ کیا	۲۰
۱۴۲	ابن عباس نے تقیہ کیا	۲۱
۱۴۳	ایک دوسرا قول	۲۲
۱۴۴	ابن عمر نے تقیہ کیا	۲۳
۱۴۴	ابن مسعود نے تقیہ کیا	۲۴



صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۴۵	راوی حدیث رسولؐ نے تقیۃ کیا	۲۵
۱۴۵	ابراہیم نخعی نے تقیۃ کیا۔	۲۶
۱۴۵	زرارة ابن اونی المحرشی نے تقیۃ کیا	۲۷
۱۴۶	عبداللہ ابن عمر کا تقیۃ	۲۸
۱۴۷	قسطانی نے شرح صمیم بنیاری میں بیان کیا ہے	۲۹
۱۴۷	حسن بصری نے تقیۃ کیا	۳۰
۱۴۸	محمد بن سیرین و شعبی نے تقیۃ کیا	۳۱
۱۴۸	ایک بڑے گروہ نے تقیۃ کیا	۳۲
۱۴۹	البوذری کو تقیۃ کا حکم	۳۳
۱۵۱	پھر البوذری کے لئے تقیۃ کی ہدایت	۳۴
۱۵۲	انبیاء نے تقیۃ کیا	۳۵
۱۵۳	جناب خلیل اللہؑ کا دوسرا تقیۃ	۳۶

## مقدمہ

ڈاکٹر محمد نجفانی سمدانیؒ

ترجمہ: مستجاب احمد انصاری

اہل سنت کے نزدیک "بداء" بہت ہی قابل اعتراض اور مکروہ عقیدہ ہے، اس طرح تقیہ کو بھی وہ بُرا سمجھتے ہیں اور اس پر شیعہ بھائیوں کا مذاق اڑاتے ہیں بلکہ شیعوں کو منافق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعوں کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔

میں نے اکثر اہل سنت سے گفتگو کر کے انھیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ تقیہ نفاق نہیں ہے لیکن انھیں تو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا سوائے اس کے کہ جو انھیں ان کی مذہبی عصیت نے سکھا دیا ہے یا جو ان کے بڑوں بزرگوں نے ان کے دل میں بٹھا دیا ہے۔

یہ بڑے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان انصاف پسند اور تحقیق کے طالب لوگوں سے جو شیعوں اور شیعہ عقائد کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، حقائق کو چھپاتیں اور یہ کہہ کر انھیں شیعوں سے متفرق کرنے کی کوشش کریں کہ یہ عبد اللہ بن سبا یہودی کا فرقہ ہے جو رجعت، بداء، تقیہ، عصمت اور منہ کا قائل ہے اور اس کے عقائد میں بہت سے خرافات اور فرضی باتیں شامل ہیں جیسے مثلاً تہمدی منتظر وغیرہ کا عقیدہ۔ جو شخص ان کی باتوں کو سنتا ہے وہ کبھی اظہار نفرت کرتا ہے اور کبھی اظہار حیرت۔ اور یہی سمجھتا ہے کہ ان خیالات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب شیعوں کی منگھڑت اور فرضی باتیں ہیں۔

مگر جب کوئی شخص تحقیق کرتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب عقائد کا اسلام سے گہرا تعلق ہے اور یہ قرآن و سنت کی لکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی عقائد و تصورات ان کے بنیاد پر اپنی صحیح شکل اختیار ہی نہیں کر سکتے۔

اہل سنت میں عجیب بات یہ ہے کہ جن عقائد کو وہ بُرا سمجھتے ہیں، ان ہی

عقائد سے ان کی کتابیں اور احادیث کے معتبر مجموعے بھرے ہوئے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کا کیا علاج جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ اور جو خود اپنے عقائد کی اس بے ہنسی اڑاتے ہیں کیونکہ شیعہ ان پر عامل ہیں۔

ہم بداء کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اہل سنت خود بداء کے قائل ہیں لیکن اگر دوسرے بداء کے قائل ہوں تو ان پر اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔ اب آئیے دیکھیں تقیہ کے مسئلہ میں اہل سنت و اجماعت کیا کہتے ہیں؟ اس کی بنا پر تو وہ شیعوں پر منافق ہونے تک کا الزام لگاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے غوفی کے واسطے سے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ اس آیت "إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا" کے بارے میں ابن عباس کہتے تھے کہ:

"تقیہ زبان سے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کرے جو اصل میں معصیت ہے تو وہ اگر لوگوں کے ڈر کے مارے وہ بات کہہ دے جب کہ اس کا دل پوری طرح ایمان پر قائم ہو تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا یہ بھی یاد رکھو کہ تقیہ محض زبان سے ہوتا ہے۔"

یہ روایت حاکم نے نقل کی ہے اور اے صحیح کہا ہے۔ یہی نے بھی اپنی سنن میں غطاء عن ابن عباس کے حوالے سے "إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا" (مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم کو ان سے کچھ اندیشہ ضرر ہو)۔ (سورۃ آل عمران - آیت ۲۸) کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ تقیہ کا تعلق زبان سے کہنے سے ہے بشرطیکہ دل ایمان پر قائم ہو۔

عبد بن حمید نے حسن بصری سے روایت بیان کی ہے کہ

"حسن بصری کہتے تھے کہ تقیہ روز قیامت تک جائز ہے۔"

عبد بن ابی رجا نے نقل کیا ہے کہ حسن بصری اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: "إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا"۔

لے سیوطی تفسیر درمنثور لے سنن بیہقی۔ مستدرک ماہم لے سیوطی اور مشور



عبدالرزاق، ابن سعد، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن مژوئہ نے  
سندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے، حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے، بیہقی  
نے دلائل میں اس کو نقل کیا ہے۔ روایت یہ ہے :

مشرکین نے عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہ  
چھوڑا جب تک عمار نے نبی اکرم کو گالی نہ دی اور مشرکین کے  
معبودوں کی تعریف نہ کی۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ۔

آخر جب عمار کو مشرکین نے چھوڑ دیا تو وہ رسول اللہ کے پاس  
آئے۔ رسول اللہ نے پوچھا : کہو کیا گزری ؟ عمار نے کہا : بہت  
بری گزری، انھوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں  
نے آپ کی شان میں گستاخی نہ کی اور ان کے معبودوں کی تعریف  
نہ کی۔ رسول اکرم نے پوچھا : تمہارا دل کیا کہتا ہے ؟ عمار نے کہا :  
میرا دل تو ایمان پر پختہ اور قائم ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا : اگر  
وہ لوگ تم پر پھر زبردستی کریں تو پھر ایسے ہی کہہ دینا۔ اس پر یہ  
آیت نازل ہوئی :

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيمَانِهٖ اِلَّا مِنْ اَكْثَرَةٍ وَّ  
قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ۔

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے مگر  
وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان  
کے ساتھ مطمئن ہو۔ (سورۃ نحل - آیت ۱۰۶)

ابن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے دیکھا  
کہ عمار زور رہے ہیں۔ آپ نے ان کے آسنو پونچھے اور کہا : (مجھے معلوم ہے کہ) کفار  
نے تمہیں پانی میں ڈبو دیا تھا تب تم نے ایسا کہا۔ اگر وہ پھر تمہارے ساتھ ایسا ہی  
سلوک کریں، تو پھر یہی کہہ دینا۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں عن  
علی بن ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ

ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے : مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ  
کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ جس نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس پر اللہ  
کا غضب نازل ہوگا اور اس کے لیے سخت عذاب ہے مگر جسے  
مجبور کیا گیا اور اس نے دشمن سے بچنے کے لیے زبان سے کچھ کہہ  
دیا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور اس کا دل اس کی زبان  
کے ساتھ نہیں، تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے  
صرف اس بات کا مواخذہ کرتا ہے جس پر ان کا دل جم جائے۔

ابن ابی شیبہ، ابن جریر طبری، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے  
روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت نکلنے کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔  
ہوایوں کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تو انھیں بعض صحابہ نے مدینے سے لکھا کہ ہجرت  
کر کے یہاں آ جاؤ۔ جب تک تم ہجرت کر کے یہاں نہیں آؤ گے، ہم تمہیں پاناسا  
نہیں سمجھیں گے۔ اس پر وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں انھیں قریش  
نے پکڑ لیا اور ان پر سختی کی۔ مجبوراً انھیں کچھ کلمات کفر کہنے پڑے۔ ان کے بارے  
میں یہ آیت نازل ہوئی : اِلَّا مَنْ اَكْثَرَةٍ وَّ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ۔  
بخاری نے اپنی صحیح میں باب المداۃ مع الناس میں ایک روایت نقل  
کی ہے جس کے مطابق ابوالدرداء کہتے تھے :

کچھ لوگ ہیں جن سے ہم بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں،

لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۰۲  
علی نے اپنی سیرت میں یہ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ  
”جب رسول اللہ نے شہر خیبر فتح کیا تو حجاج بن علاط نے  
آپ سے عرض کیا : یا رسول اللہ ! مکے میں میرا کچھ سامان ہے  
اور وہاں میرے گھر والے جہن ہیں، میں انھیں لانا چاہتا ہوں،  
کیا مجھے اجازت ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ  
کی شان میں گستاخی ہو ؟ رسول اللہ نے اجازت دے دی  
اور کہا : جو چاہے کہو۔“

علی بن برہان الدین شافعی، إسنان العیون المعروف بہ سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۶۱



امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ہے کہ :  
 "مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔ اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہو اور وہ شخص چھپ جائے تو ایسے موقع پر جھوٹ بول دینا واجب ہے۔" حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی، احیاء علوم الدین -  
 جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الْأَشْبَاهُ وَالنِّظَائِر میں ایک روایت بیان کی ہے۔ اس میں لکھا ہے :

"فاقہ کشی کی حالت میں مزار کھانا، شراب میں لقمہ بونا اور کفر کا کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہے۔ اگر کسی جگہ حرام ہی حرام ہو اور حلال شاذ و نادر ہی ملتا ہو تو حسب ضرورت حرام کا استعمال جائز ہے۔"

ابوبکر رازی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں اس آیت إِلَّا أَنْ تَشْفَوْا مِنْهُمْ نَفَاةً کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو تو تم کفار سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ آیت کے الفاظ سے یہی معنی نکلتے ہیں اور اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں۔ قتادہ نے بھی لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ کی تفسیر کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی کافر کو دین کے معاملے میں اپنا دوست یا سرپرست بناتے ہوئے اس کے کہ ضرر کا اندیشہ ہو۔ قتادہ نے مزید کہا ہے کہ إِلَّا أَنْ تَشْفَوْا مِنْهُمْ نَفَاةً سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی صورت میں زبانی کفر کا اظہار جائز ہے۔

صحیح بخاری میں عبود بن ربیع سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے انھیں بتلایا کہ

ایک دفعہ ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا : لغو آدمی ہے، خیر آنے دو۔ جب وہ شخص آیا تو آپ نے بڑی نرمی سے اس سے بات چیت کی۔ میں نے پوچھا : یا رسول اللہ! ابھی تو آپ نے کیا فرمایا تھا پھر آپ نے اس سے گفتگو اتنی خوش اخلاقی سے کی؟ آپ نے جواب دیا : عائشہ! اللہ کے نزدیک وہ بدترین آدمی ہے جس سے لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے بچیں یا اس کی بدزبانی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیں۔

صحیح بخاری جلد ۱ باب لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ قَاجِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا۔

اس قدر تبصرہ یہ دکھانے کے لیے کافی ہے کہ اہل سنت تقیہ کے جواز کے پوری طرح قائل ہیں۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک جائز رہے گا اور۔ جیسا کہ غزالی نے کہا ہے، ان کے نزدیک بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور بقول رازی جہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ بعض صورتوں میں اظہار کفر بھی جائز ہے اور۔ جیسا کہ بخاری اعتراف کرتے ہیں بہ ظاہر مشکنا اور دل میں لعنت کرنا بھی جائز ہے اور۔ جیسا کہ صاحب سیرۃ حلبیہ نے لکھا ہے، اپنے مال کے ضائع ہوجانے کے خوف سے رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرنا بلکہ کچھ بھی کہہ دینا روا ہے۔ اور۔ جیسا کہ سیوطی نے اعتراف کیا ہے لوگوں کے خوف سے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو گناہ ہیں۔

اب اہل سنت کے لیے اس کا قطعاً جواز نہیں کہ وہ شیعوں پر ایک ایسے عقیدے کی وجہ سے اعتراض کریں جس کے وہ خود بھی قائل ہیں اور جس کی روایات ان کی مستند حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جو تقیہ کو نہ صرف جائز بلکہ واجب بتلاتی ہیں جن باتوں کے اہل سنت قائل ہیں، اشیعہ ان سے زیادہ کچھ نہیں کہتے۔ یہ بات البتہ ہے کہ وہ تقیہ پر عمل کرنے میں دوسروں سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں۔ اور وجہ اس کی وہ ظلم و تشدد ہے جس سے شیعوں کو اموی اور عباسی دور میں سابقہ پڑا۔ اس دور میں کسی شخص کے قتل کر دیے جانے کے لیے کسی کا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ "یہ بھی



شیعان اہل بیت میں سے ہے۔

ایسی صورت میں شیعوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا کہ وہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تقیہ پر عمل کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

التَّقِيَّةُ دِينٌ وَدِينٌ ابَائِي.

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ

مَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ لَا دِينَ لَهُ.

جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا دین ہی نہیں۔

تقیہ خود ائمہ اہل بیت کا شعار تھا، اور اس کا مقصد اپنے آپ کو اور اپنے

پیروکاروں اور دوستوں کو ضرر سے محفوظ رکھنا، ان کی جانیں بچانا اور ان مسلمانوں

کی بہتری کا سامان کرنا تھا جو اپنے مقتدات کی وجہ سے تشدد کا شکار ہو رہے تھے،

جیسے شلاء عمار بن یاسرؓ۔ بعض کو تو عمار بن یاسرؓ سے بھی زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

اہل سنت ان مصائب سے محفوظ تھے کیونکہ ان کا ظالم حکمرانوں کے ساتھ

کامل اتحاد تھا۔ اس لیے انھیں نہ قتل کا سامنا کرنا پڑا، نہ لوٹ کھسوٹ کا، نہ ظلم

و ستم کا۔ اس لیے یہ قدرتی امر ہے کہ وہ نہ صرف تقیہ کا انکار کرتے ہیں بلکہ تقیہ کرنے

والوں پر طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں۔ دراصل بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں نے

تقیہ کی بنا پر شیعوں کو بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ان ہی کی پیروی

اہل سنت و جماعت نے کی ہے۔

جب اللہ سبحانہ نے قرآن میں تقیہ کا حکم نازل فرمایا ہے اور جب خود

رسول اللہؐ نے اس پر عمل کیا ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت میں آپؐ چھ چکے ہیں

اس کے علاوہ رسول اللہؐ نے عمار بن یاسرؓ کو اجازت دی کہ اگر کفار پھر ان پر تشدد

کریں اور اذیت دیں تو جو کلمات کفر کفار کہلوانا چاہیں وہ کہہ دیں۔ نیز یہ کہ قرآن و

سنت پر عمل کرتے ہوئے علماء نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے تو پھر آپ ہی انصاف

سے بتائیں کہ کیا اس کے بعد بھی شیعوں پر طعن کرنا اور ان پر اعتراض کرنا درست

ہے؟

صحابہ کرام نے ظالم حکمرانوں کے عہد میں تقیہ پر عمل کیا ہے۔ اس وقت جبکہ ہر شخص کو جو علی بن ابی طالبؓ پر لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا۔ حجر بن عدیؓ کندی اور ان کے ساتھیوں کا قصہ تو مشہور ہے۔ اگر میں صحابہ کے تقیہ کی مثالیں جمع کروں تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی۔ لیکن میں نے اہل سنت کے حوالوں سے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بخمد اللہ کافی ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ ضرور بیان کروں گا جو خود میرے ساتھ

پیش آیا۔ ایک دفعہ ہوائی جہاز میں میری ملاقات اہل سنت کے ایک عالم سے ہوئی

ہم دونوں برطانیہ میں منعقد ہونے والی ایک اسلامی کانفرنس میں مدعو تھے۔ دو

گھنٹے تک ہم شدید شتمی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے۔ یہ صاحب اسلامی اتحاد کے اعلیٰ

اور حامی تھے۔ مجھے بھی ان میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لیکن اس وقت مجھے بڑا معلوم

ہو اجاب انھوں نے یہ کہا کہ شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بعض ایسے عقائد چھوڑ دیں جو

مسلمانوں میں بھڑک اٹالتے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کا سبب بنتے ہیں۔ میں نے

پوچھا: مثلاً؟

انھوں نے بے دھڑک جواب دیا: مثلاً متفقہ اور تقیہ۔

میں نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ متفقہ تو جائز ہے اور قانونی نکاح

کی ایک صورت ہے اور تقیہ اللہ کی طرف سے ایک رعایت اور اجازت ہے۔

لیکن وہ حضرت اپنی بات پر اڑے ہوئے اور میری ایک نہ مانے، نہ ہی میرے

دلائل انھیں قائل کر سکے۔

کہنے لگے: جو کچھ آپ نے کہا ہے، ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو، لیکن مصلحت

یہی ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر ان چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔

مجھے ان کی منطق عجیب معلوم ہوئی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر

اللہ کے احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ پھر بھی میں نے ان کا دل

رکھنے کو کہا: اگر مسلمانوں کا اتحاد اس پر موقوف ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو یہ

بات مان جاتا۔

ہم لندن ایئر پورٹ پر اترے تو میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ جب ہم ایئر پورٹ پولیس کے پاس پہنچے تو ہم سے برطانیہ آنے کی وجہ پوچھی گئی۔

ان صاحب نے کہا: میں علاج کے لیے آیا ہوں۔

میں نے کہا کہ میں اپنے کچھ دوستوں سے ملنے آیا ہوں۔

اس طرح ہم دونوں کسی وقت کے بغیر وہاں سے گزر کر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں سامان وصول کرنا تھا۔ اس وقت میں نے چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ: آپ نے دیکھا کہ کیسے تقیہ (نظریہ ضرورت) ہر زمانے میں کارآمد ہے؟

کہنے لگے: کیسے؟

میں نے کہا: ہم دونوں نے پولیس سے جھوٹ بولا۔ میں نے کہا میں دوستوں سے ملاقات کے لیے آیا ہوں، اور آپ نے کہا کہ میں علاج کے لیے آیا ہوں۔ حالانکہ ہم دونوں کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔

وہ صاحب کچھ دیر سُکراتے رہے۔ سمجھ گئے تھے کہ میں نے ان کا جھوٹ سُن لیا۔

پھر کہنے لگے: کیا اسلامی کانفرنسوں میں ہمارا روحانی علاج نہیں ہوتا؟

میں نے ہنس کر کہا: تو کیا ان کانفرنسوں میں ہماری اپنے دوستوں سے

ملاقات نہیں ہوتی؟

اب میں پھر اپنے موضوع پر واپس آتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کا یہ کہنا غلط ہے کہ تقیہ نفاق کی کوئی شکل ہے بلکہ بات اس کی اُٹ ہے، کیونکہ نفاق کے معنی ہیں: ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر۔ اور تقیہ کے معنی ہیں ظاہر میں کفر اور باطن میں ایمان۔ ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

نفاق کے متعلق اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا  
إِلَىٰ شَيْءٍ طَائِفَتُهُمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ  
مُسْتَهْزِءُونَ .

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو

کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کر رہے تھے۔

(سورۃ بقرہ - آیت ۱۴)

اس کا مطلب ہوا: ایمان ظاہر + کفر باطن = نفاق

تقیہ کے بارے میں اللہ سبحانہ نے کہا ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ

فِرْعَوْنِ كِي قَوْمِ فِي سَإِءٍ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ

چھپائے ہوئے تھا، کہا:.....

اس کا مطلب ہوا: کفر ظاہر + ایمان باطن = تقیہ

یہ مومن آل فرعون اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا جس کا علم سولنے اللہ کے کسی کو نہیں تھا، وہ فرعون اور دوسرے سب لوگوں کے سامنے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعون کے دین پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن کریم میں تعریف کے انداز میں کیا ہے۔

اب قارئین بات کریں آئیے دیکھیں! خود شیعہ تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں جو غلط فہمیاں مشہور ہیں، جو جھوٹ بولا جاتا اور طوائف اُٹھایا جاتا ہے، ہم اس سے دھوکا نہ کھانے پائیں۔

شیخ محمد رضا مظفر اپنی کتاب عقائد الإمامیہ میں لکھتے ہیں:

تقیہ بعض موقعوں پر واجب ہے اور بعض موقعوں پر

واجب نہیں۔ اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ ضرر کا کتنا خوف ہے۔

تقیہ کے احکام فقہی کتابوں کے مختلف ابواب میں علماء نے لکھے

ہیں۔ ہر حالت میں تقیہ واجب نہیں۔ صرف بعض صورتوں میں

تقیہ کرنا جائز ہے۔

بعض صورتوں میں تو تقیہ نہ کرنا واجب ہے، مثلاً اس صورت

میں جب کہ حق کا اظہار، دین کی مدد، اسلام کی خدمت اور

جہاد ہو۔ ایسے موقع پر جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

بعض صورتوں میں تقیہ حرام ہے یعنی ان صورتوں میں جب



تقیہ کا نتیجہ خون ناحق، باطل کا رواج یا دین میں بگاڑ ہو یا تقیہ کے باعث مسلمانوں کا سخت نقصان ہونے، مسلمانوں میں گمراہی پھیلنے یا ظلم و جور کے فروغ پانے کا اندیشہ ہو۔

بہر حال شیعوں کے نزدیک تقیہ کا جو مطلب ہے وہ ایسا نہیں کہ اس کی بنا پر شیعوں کو تحریبی مقاصد کی کوئی خفیہ پارٹی سمجھ لیا جائے، جیسا کہ شیعوں کے بعض وہ غیر محتاط دشمن چاہتے ہیں جو صمیم بات کو سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ (ہم غیر محتاط شیعوں سے بھی کہیں گے کہ)

اقوال غیر جو پئے اسلام میں مُضر

اپنی زبان سے ان کی حکایت نہ کیجیے  
اسی طرح تقیہ کے یہ بھی معنی نہیں کہ اس کی وجہ سے دین اور اس کے احکام ایسا راز بن جائیں جسے شیعہ مذہب کو نہ ماننے والوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جاسکے۔ اور یہ جو بھی کیے سکتا ہے جبکہ شیعہ علماء کی تصانیف خصوصاً ان کی فقہ، احکام عقائد اور علم کلام سے متعلق کتابیں مشرق و مغرب میں ہر جگہ اتنی تعداد میں پھیلی ہوئی ہیں کہ اس سے زیادہ تعداد کی کسی مذہب کے ماننے والوں سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ دشمنوں کے خیال کے برخلاف یہاں نہ نفاق ہے نہ مکر و فریب، نہ دھوکا ہے نہ جھوٹ !

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد تہجانی سماوی تیونس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقیہ

معركة الآراء موضوع بحث

شیعوں اور اہل سنت حضرات کے درمیان تقیہ سے زیادہ کوئی مسئلہ سو و تفاہم کا باعث نہیں اور اہل سنت حضرات کی نظروں میں تقیہ سے زیادہ کوئی دوسرا مسئلہ پردہ خطا نہیں۔ ہمارے سنی بھائی ہمیشہ ہم سے یہی کہتے ہیں کہ آپ جس قدر چاہیں اپنے عقیدے کی وضاحت کریں اور چاہے جتنا کہیں کہ ہم قرآن میں کسی تحریف کے قائل نہیں اور ہمارے تمام گھروں اور شہروں میں قرآن موجود ہے اور وہی قرآن ہے جو دوسرے مسلمانوں کے پاس ہے۔ لیکن ہم آپ کی اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ممکن ہے آپ اس میں تقیہ سے کام لے رہے ہوں۔

چوں کہ تقیہ آپ کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

اسی طرح جب دوسرے اسلامی مسائل کے سلسلہ میں ہم ان سے (اہل سنت حضرات) سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنے عقائد کو کہ جن کی بنیاد قرآن و سنت اور کلمات اہلبیت علیہم السلام پر استوار ہے بیان کرتے ہیں تو ان کا جواب وہی ہوتا ہے۔ (کہ ممکن ہے آپ تقیہ کر رہے ہوں) یہ صورت حال اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ اہل سنت حضرات کا حق تقیہ کے معنی اور

مفہوم سے آگاہ نہیں۔ اور یہ کہ تفسیر کا ان کے نزدیک کوئی اور مفہوم ہے۔ نیز یہ کہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ تفسیر کی بنیاد قرآن و سنت ہے۔ کلام خدا میں صریح آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں اور سنت پیغمبر اکرم میں بھی تفسیر مشہور ہے اور آنحضرت کے رحمتہ صحابیوں نے اس قانون پر عمل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تفسیر کا ان کا قرآن و سنت کا انکار ہے۔ تفسیر کا وجود نہ صرف قرآن و سنت میں ہے بلکہ دنیا بھر کے عقلمندوں کے نزدیک تفسیر ایک جالی پہچانی عقلی اصل (روشنی) ہے اور انسانیت کے ہر ساج میں اس کا وجود شاہد ہے۔

اس کتاب کا مقصد ہی ان مسائل کو واضح کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اسلامی قانون تفسیر تفسیر اپنے صحیح روپ میں دنیا کے سامنے روشن ہو جائے تاکہ صحیح اور تحریف شدہ تفسیر کے مفہوم میں تمیز کی جا سکے۔ اور اہل سنت حضرات جو شیعوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہیں اس کا ازالہ ہو سکے۔

ہماری طرف سے اس کتاب کی نشر و اشاعت تمام حجت ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد کسی کے پاس خداوند عالم کی بارگاہ میں کوئی عذر نہیں رہے گا کہ وہ اہلبیت علیہم السلام کے سامنے والوں پر اعتراض کرے اور بلاوجہ کچھ بڑھائے اس لئے کہ اس کتاب میں تفسیر کے صحیح معنی، قرآن مجید اور تاریخ و احادیث میں اس پر دلالت کرنے والی آیتوں اور روایتوں پر بہترین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

خداوند متعال ہم سب کو اسلامی قوانین اور سنت پیغمبر اکرم پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔  
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

حوزہ علیہدائم

ناصر کارم شیرازی

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ

## مقدمہ مترجم

بسم الله الرحمن الرحيم — قال الامام جعفر ابن محمد الصادق عليه السلام

”من لا تفسیر له لا دین له۔“

تاریخ مذہب گواہ ہے کہ جتنے مظالم شیعیہ مذہب والوں پر دھماکے لئے شاید ہی کسی مذہب کے سامنے والوں پر اتنے مظالم دھماکے گئے ہوں۔ اس کے باوجود شیعیہ زندہ ہیں، مانندہ ہیں اور زندہ و مانندہ رہیں گے۔ اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ جیسے رہبر شیعوں کو ملے اس شان کے رہبر دنیا کے کسی دوسرے مذہب والوں کو نہیں ملے۔ اور ان عظیم رہبروں نے اتنا جامع اور جامع گیر قانون حیات شیعوں کو دیا کہ دنیا کے کسی مذہب کے پاس ایسا قانون نہیں۔ یہ قانون ہر حال میں زندگی بخش اور حیات آفریں قانون ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی سکھاتا ہے اور ظالم کے سامنے اپنی روحیت ظاہر کر کے زندگی گزارنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کو مکمل تحفظ ملتا ہے وہ قانون ہرگز انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا جو انسان کو تحفظ دے سکے۔ یہ اور بات



ہے کہ حفظ کی نوعیتیں مختلف ہیں جس طرح کبھی کبھی سرگردا نہ محفوظ کے معنی نہیں ہوتا یہ صلیح  
چہرہ سارہ بچا لیا نہ محفوظ کا مصداق نہیں بن پاتا۔ اور یہ حقیقت آشکار بھی ہے اور مضمر بھی۔  
اسلام کے ایسے ہی قوانین کے مجموعے میں سے ایک قانون کا نام تقیہ ہے۔ اور چوں کہ  
اسلام دین فطرت ہے لہذا تقیہ بھی قانون فطرت ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تقیہ کی مخالفت  
اسلام کی مخالفت ہے اور اسلام کی مخالفت کفر ہے۔

تجب عموم پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے ان دانشور نماؤں پر ہے کہ جو تقیہ کا انکار کرنے والوں  
کو مورد الزام اور مقصر ٹھہرانے کے بجائے اس قانون فطرت کے ماننے والوں کو مقصر خیال کرتے ہیں۔  
اور وہ بھی صرف زبانی سن تراشیوں کے ساتھ و گردن کی عملی زندگی میں قدم قدم پر تقیہ نظر رکھتے ہیں  
اپنے خانگی معاملات تک میں وہ تقیہ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ چوں کہ کذب سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ  
ہے۔

زیر نظر کتاب میں تقیہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں اگرچہ تقیہ کو  
ایک فقہی قاعدے کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تقیہ کے محل و سبب کو  
بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور بے موقع و محل کی ہانے والی الزام تراشیوں کا دفاع بھی ہے۔  
تاریخ و حدیث سے تقیہ کے متعدد نمونے پیش کئے گئے ہیں اور قرآن کی کئی آیات سے  
استدلال و استنباط کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مہم  
متعصب راہ راست پر آجائیں گے۔ البتہ وادعی تحقیق کی پر خاراہوں پر سفر کرنے والے منزل کا پتہ  
پا سکتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کی تنویر افکار کے لئے ہم تقیہ کے بارے میں مسلمانوں کے مقبر مفسرین کی  
آراء نقل کرتے ہیں۔

۱۔ غزالی (غزالی تفسیر کریم) (الآن تستقوا منهم تقاة) کی تفسیر میں تقیہ کے مفہوم  
احکام میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ اگر انسان کفار کے درمیان پھنس جائے اور جان  
کا خوف ہو تو وہ زبانی طور پر عداوت کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ صرف زبان سے دشمنی کا  
اظہار نہ کرے بلکہ اس سے بالاتر ذوقی الفاظ میں ان سے دوستی اور رفاقت کا اظہار کر سکتا ہے بشرطیکہ  
باطنی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔  
اس کے بعد چوتھے حکم کے ذیل یہ لکھتے ہیں۔

ظاهر الآية يدل ان التقيّة انما تحل مع الكفار الغالبين  
الآن مذهب الشافعي رحمه الله انه ان الحالة بين المسلمين اذا شاكلت  
بين المسلمين والكافرين حلت التقيّة محاصاة على النفس۔  
آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط غلبہ رکھنے والے کافروں سے تقیہ جائز ہے۔ لیکن  
شافعی کے نزدیک اگر مسلمانوں سے بھی جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہے۔  
پانچواں حکم۔

التقيّة جائزة لصون النفس، وهل هي جائزة لصون المال  
يحتمل ان يحكم فيها بالجواز لقوله صلى الله عليه وسلم "حرمة  
مال المسلم كحرمة دمه" وبقوله (ص) "من قتل دون ماله فهو  
شهيداً"

ترجمہ: جان بچانے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ لیکن ایسا مال کی حفاظت کی خاطر بھی



جائزہ یا نہیں ہے۔ احتمال یہ ہے کہ جائز ہو۔ اس لئے کہ بنی اکرم نے فرمایا: "مسلمان کی جان کی طرح اس کا مال بھی محترم ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا: جو اپنے مال کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔"

۲۔ زخمی اسی آیت کے ذیل میں لکھے ہیں: "خدا نے اس صورت میں کفار و مشرکین سے دوستی برقرار رکھنے کی جھوٹ دی ہے جب ان سے جان کا خطرہ ہو۔"

۳۔ لسانی کی تفسیر میں ملتا ہے: "الآن تستقوا منهم نقاة" یعنی جب کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور مسلمانوں کو جان و مال کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں دوستی ظاہر کرنا اور دشمنی کو پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔"

۴۔ خازن لکھتے ہیں: "صرف قتل ہو جانے سے بچنے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ بشرطیکہ نیت سالم ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الامن لکروہ وقلوبہ مطمین بالالیمان" سورہ ۱۰۶ آیت ۱۔"

۵۔ نیشاپوری "فلا تخصروہم واخشون" کے ذیل میں لکھتے ہیں: اس آیت کی ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں تقیہ جائز ہے۔"

۶۔ خطیب شرمینی کو ملا حفظ فرمائیے۔ "الامن اکروہ" یعنی جسے کفر کے اہتمام پر

مجبور کیا جائے اور وہ ایسا کرے۔ "وقلبہ مطمئن بالایمان" اور اس کا دل ایمان سے مستراح ہو۔ تو اس نے کچھ برا نہیں کیا، اس لئے کہ ایمان کا مسکن دل ہوا کرتا ہے۔"

۷۔ طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "الآن تستقوا منهم نقاة" کے ذیل میں ابوالاعلیٰ رقمطراز ہیں: تقیہ زبان سے ہوتا ہے عمل سے نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اسی آیت کے ذیل میں خضاک کا قول نقل کرتے ہیں: تقیہ زبان سے ہوتا ہے اگر کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور وہ جان بچانے کیلئے کہہ دے: "وقلبہ مطمئن بالایمان" مگر اس کا دل ایمان سے بے خبر نہ ہو تو وہ گنہگار نہیں۔"

۸۔ حافظ ابن ماجہ لکھتے ہیں: ایسی حالت میں تقیہ جائز ہے۔ اس لئے کہ خلافت عالم کا ارشاد ہے: "الامن اکروہ وقلوبہ مطمئن بالایمان"۔"

۹۔ اسی آیت کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں: "حسن کا قول ہے کہ تقیہ انسان کے لئے دنیا تک جائز ہے۔"

اس کے بعد قرطبی کہتے ہیں: "اہل عالم کا اتفاق ہے جس شخص کو کفر بکنے پر مجبور کیا جائے اور وہ "قتل سے بچنے کے لئے ظاہراً کفر ہو جائے لیکن اس کے دل میں ایمان ہو تو وہ گناہ گار نہ ہوگا اور

۱۔ تفسیر المصنف ج ۲ ص ۲۳۳۔

۲۔ جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۱۔

۳۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۵۔

۴۔ جامع احکام قرآن ج ۴ ص ۱۷۵۔

۱۔ تفسیر المصنف ج ۲ ص ۲۳۳۔

۲۔ تفسیر لسانی۔ حاشیہ تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۷۵۔

۳۔ تفسیر الخازن ج ۱ ص ۱۷۵۔

۴۔ تفسیر غرہ القرآن ج ۳ ص ۱۷۵۔

۱۔ اس کی بیوی اس سے الگ ہو گئی۔ اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ یہ الگ شافعی ائمہ کو فیوں کا قول ہے۔  
 ۱۰۔ اس آیت کی تفسیر میں ایسی لکھتے ہیں: آیت تفسیر کے شروع ہونے پر دلائل کتاب ہے۔  
 ۱۱۔ بحال مذہب کا یہاں ہے: "الَّذِينَ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا" سے تمام آئمہ نے استنباط کیا ہے کہ خوف کے وقت تفسیر شروع ہے۔

چنانچہ ابوہریرہ نقل کریں کہ رسول خدا سے دو دعا میں یاد کریں، ایک دعا کو میں نے تمام لوگوں کو بتلایا ہے لیکن دوسری دعا کو نہیں بتلایا اس لئے کہ اگر بتلایا تو میری گردن مار دی جاتی۔

۱۲۔ ملائی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل یہ مذکور کیا ہے: "مومنوں کو ہر حالت میں کافروں سے قطع روابط کرنا چاہئے، لیکن اگر ان سے کسی قسم کا خوف ہو تو اس کا ازالہ تفسیر کے ذریعہ فروری ہے۔ اس نے کہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ منافع حاصل کرنے سے پہلے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہئے۔

لہذا جب نقصان سے بچنے کے لئے کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز ہے تو تمام مسلمانوں کے منافع کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

دین اور دیانت کے پابند روشن فکر مسلمانوں سے یہ توقع ہے کہ اتنے حملے ال سنٹ کی خاموشی میں ملاحظہ فرمانے کے بعد حق کا بڑا بڑا کرنا جس اسلام کے مخلص مانتے دلوں کو برا بھلا نہیں کہیں گے، بلکہ ان کے روشن دلیلوں کے ذریعہ واقع اور مراد مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ یہ کتاب لکھنے اور ترجمہ کرنے کا مقصد

دل سنٹ حضرات کو ان کے مذہب سے بدل کتاب ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے عرض ہے کہ کتاب کا مقصد کسی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد حق کو واضح کرنا ہے۔ "لیسہک من ہلک عن بینة و یحیی من حیثی عن بینة" صرف کتاب میں پھر لینے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا بلکہ "ذالک فضل اللہ یؤتی من یشاء"۔

وگر جب یہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی تب بھی لوگ شیعہ مذہب اختیار کرتے رہے ہیں اور کچھ بھی کرتے نہیں گئے۔

ہماری اس کتاب سے اصل غرض یہ ہے کہ علمائے اسلام اپنی ملکی موجودیتوں کو ان فوری مسائل میں الجھا کر برباد نہ کریں بلکہ انہیں اپنے مشترکہ دشمن کے ظاہری اور باطنی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے استعمال کریں۔

اسی طرح جو لوگ دل تحقیق اور حق جو ہیں ان کو مکمل آزادی دیں تاکہ وہ فتوئوں کے خوف سے بے خطر ہو کر دینی تحقیق میں قدم رکھیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔

خطہ و استعمال ہم سب کو دین اسلام اور مستضعف و بے چارے مسلمانوں کی حمایت میں اپنی ملکی اور ملی لوگوں کو صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آخر میں ناشر گرامی جناب انعام الدین صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو تین، دس، دس دس دس اسلام اور فقہ جعفری کی خدمت کر رہے ہیں۔ خدا نے سچان موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

پروردگار عالم جلہ مؤمنین و مومنات کو حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے نام زمانہ کے غم و غم میں تحلیل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

سہ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ  
قلم المقدس ریلین

## حرف آغاز

تفہیم ایک عرصہ سے جہاں ہماری پہچان رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی بنا پر ہمیں  
بنام کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے جس کا سبب اس کے حقیقی معنی اور رواداروں  
و حرمت سے ناگاہی اور حکم عقل و نقل سے غفلت کے علاوہ کچھ نہیں۔

تفہیم دین کی ضرورت ہے اور اس کا مذہب و دین سے دوہرا تعلق ہے۔ ایک طرف  
بہت سے فروعی مسائل فقہ کی بنیاد اس پر استوار ہے تو دوسری طرف اس کا تعلق عقائد و کلام  
بھی ہے یہی وجہ ہے کہ جو اس کی حقیقت اور اس کے موارد سے غافل ہیں وہ اسی کو اس کے  
ماتے والوں کا زور پہلو قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ ہم اس کے بارے میں ایک فقہی قاعدہ کی حیثیت سے بحث کر رہے ہیں  
لیکن دور لان بحث ہم اس کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مخالفین کے ان  
اعتراضات کا کہ جو ”دوبہ کو سننے کا سہارا“ کی حیثیت رکھتے ہیں جواب دے سکیں اور  
اس طرح کے تاثرات کی طرح اس کو بھی دور کر سکیں جو ہم سے دوری، عدم اتصال اور ہمارے



## تَقِيَّةٌ كَلْفُوٰی اَوْ اَصْطِلَاحِیْ مَعْنٰی

تَقِيَّةٌ لَفْتٌ مِّنْ اَنْتَقِیَّتِیْ "کامصدہ ہے۔ ام مصدہ نہیں جیسا کہ شیخ اصراری نے فرمایا ہے بلکہ ام مصدہ تقویٰ ہے۔..... چنانچہ محقق فیوز آبادی "کاموس" میں فرماتے ہیں "انقیب لَفْتٌ وَتَقِيَّةٌ یعنی حذرتہ" "میں فلاں چیز سے بچا" گویا کسی بھی چیز سے بچنے کو تَقِيَّةٌ کہا جاتا ہے۔

بنا برائے تَقِيَّةٌ کے ال معنی کا دائرہ جو فقرہ اصول اور علم کلام میں بیان ہوئے ہیں۔ لغوی معنی کی نسبت تنگ ہے اس سلسلے میں علماء کرام کی جو عبارتیں اور مضامین ہم تک پہنچے ہیں وہ مختلف ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علمائے کرام کے درمیان تَقِيَّةٌ کی حقیقت و مفاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت پر سبھی متفق ہیں۔ بطور نمونہ چند عبارتیں نقل کئے ہیں۔

اور ہمارے عقائد کو ہم سے لینے بلکہ ایسی کتابوں سے اخذ کرنے کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں جو ہمارے خلاف بہتان تراشیں اور خرافات سے پر ہیں۔ یہ الزامات یا تو قوی اور مذہبی تعصبات کی بنا پر ہم پر لگائے گئے ہیں۔ یا پھر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ایجاد کرنے بغرض و یکذریعہ کا بیج بونے اور ان کو آپس میں دست و گریباں کر کے کمزور کرنے کے لئے یہ تعصبات منافقوں نے پھیلائے ہیں تاکہ مسلمانوں کو رعب و دبدبہ جاتا رہے جیسا کہ قرآن میں خدا کا ارشاد ہے۔

بہر حال ہم تَقِيَّةٌ کو چند مراحل میں تقسیم کر کے مورد بحث قرار دیں گے  
اول۔ تَقِيَّةٌ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

دوم۔ تَقِيَّةٌ کا حکم تکلفی۔ یعنی آیا تَقِيَّةٌ جائز ہے یا حرام؟ اگر جائز ہے تو کس مورد میں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں؟ اور اس کی دلیلیں ہر مورد میں کیا ہیں؟ اس کے علاوہ ہم تَقِيَّةٌ کی دو قسموں یعنی خوفی اور تمہیدی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

دورانِ بحث ہم اس سوال کا بھی جواب دیں گے کہ مصدہ اول یعنی امیر اور بنی عباس کے ادوار میں رشید مجری اور شیعہ تمار جیسے جہاں تار بخنے کیوں تَقِيَّةٌ کو چھوڑ کر شہادت کا شیریں جام نوش فرمایا؟ اور کیا ایسے مواقع پر ان کی پیروی ہمارے لئے ممکن ہے یا نہیں؟

تیسرے مرحلہ میں ہم اس کے حکم و معنی کو زیر بحث لائیں گے کہ آیا تَقِيَّةٌ صرف مخالف مذہب کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا کافر اور منافق کے مقابلہ میں بھی اس سے استغفار کیا جاتا ہے؟ اور آیا تَقِيَّةٌ صرف احکام سے متعلق ہے یا موضوعات میں بھی ہوتا ہے؟ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ تَقِيَّةٌ کا سبب آیا خوف شخصی ہے یا خوف نوعی؟ آیا تَقِيَّةٌ کی مخالفت فسادِ عمل کا باعث بنتی ہے یا نہیں۔ یہ ادواران کے علاوہ امور ہیں۔ ان سب کو ہم تنبیہات میں ذکر کریں گے ہم خدا سے تمام امور میں حق کی طرف ہدایت اور توفیق کے طلب گار ہیں۔ اِنْدَاقِ رَبِّیْ جِبَّتْ۔

کرنے کی اجابت مذہبی ہو تو وہ اقلیت اپنے مل و نموس کو متعصب مخالفوں کی دست بردار  
غارت گری سے محفوظ رکھنے کے لئے نظرت کے عین مطابق کبھی تو تفتہ کا سہارا لیتے ہیں کہ  
جب حفظ نعوس و اسوال اظہار حق کی بر نسبت اہم ہو تا ہے۔ اور جب وہ سمجھتے ہیں کہ اظہار حق زیادہ ضروری  
ہے تو تفتہ کو ترک کرتے ہوئے ہر طرح کا نقصان برداشت کرتے ہیں اور آخر کار موت کو گلے لگا  
لیتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان ایسے دور میں رہ کر ہوتا ہو جس کے ایک طرف اہم اور دوسری طرف اہم  
ہو تو عقل ہی اہم کو اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے اور اسی کا نام تفتہ ہے جو حکم عقل کے عین مطابق ہے۔  
لہذا حقیقت یہ ہے کہ نقطہ شیوع تفتہ کرتے ہیں اور ذہنی تفتہ شیعوں سے مخصوص ہے  
اگرچہ مشہور یہی کر دیا گیا ہے۔ بلکہ دنیا میں ہر وہ قوم تفتہ کرتی ہے جو شیعوں جیسی مصیبتوں میں مبتلا ہو  
شیعوں کے ساتھ تفتہ اس لئے مشہور کر دیا گیا ہے کہ اکثر ممالکوں میں تقریباً ہر جگہ ظالم مخالفوں کی سلطنت  
میں رہتے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی اقلیت جب ایسی موقعیت میں ہو تو تفتہ اس کی تاریخ میں ثبت  
ہو جاتا ہے۔

آیات اور بہت سی احادیث شاہد ہیں کہ ایسے ہی حالات میں مومن آل و عیال اور اصحاب  
کھنڈے تفتہ کو حفظ دین کا وسیلہ بنایا۔ بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بت پرستوں کی کٹ  
جھٹی کے مقابل میں حضرت ابراہیمؑ اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حضرت یوسفؑ نے تفتہ  
سے کام لیا ہے۔

۱۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "تصحیح الاعتقاد" میں تفتہ کی تعریفوں میں بیان کیا  
ہے۔ حق اور عقیدہ حق کو مخالفین سے پوشیدہ رکھنا اور جن چیزوں کے اظہار سے دینی اصولوں کا  
نقصان کا اندیشہ ہوں کے ظاہر کرنے سے پرہیز کرنا۔

۲۔ شہید ثانی "قواعد" میں فرماتے ہیں۔ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے معروف و منکر  
میں ان کے شانزبانہ چلنے کو تفتہ کہتے ہیں۔

۳۔ علامہ شیخ انصاریؒ اپنے رسالہ "التفتہ" میں رقمطراز ہیں "تفتہ سے مراد  
اپنے کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے قول و فعل میں مخالف حق غیر کی موافقت کرنا۔

۴۔ علامہ شہستانیؒ اس عنوان پر شیخ مفید کی کتاب "ادایل المتعلات" کے حاشیہ پر لکھتے  
ہیں۔ اگر کسی مادی کے اظہار میں خوف ضرر ہو تو اسے پوشیدہ رکھنا تفتہ کہلاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تعریفوں میں بعض کا دائرہ وسیع ہے اور بعض کا  
تنگ ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ کے معنی کی وضاحت کے پیش نظر کسی نے بھی اس  
کی جامع افرواد مانع اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی لئے کسی نے دوسرے  
کی تعریف پر اعتراض بھی نہیں کیا ہے۔

اہم جس چیز کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تفتہ ہر اس جماعت کے نزدیک  
پہر ہے جس پر اکثریت کا غلبہ ہو اور وہ اکثریت اس اقلیت کو اظہار عقیدہ اور اس کے مطابق عمل

۱۔ التفتہ کتمان الحق و استتار الاعتقاد و مکاتمة الخالفین و ترک مظاهرہم بہا بعقبہ  
فی الدین والدنیا۔ تصحیح الاعتقاد ص ۳۳۔



کوئی رابطہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان سے خطرہ لاحق ہو تو ایسا کر سکتے ہیں (یعنی تفتیہ کر سکتے ہیں) ان کو دوست بنا سکتے ہیں۔ اور ان سے مدد لے سکتے ہیں۔.....) اسی طرح کی ایک اور آیت ہے جس میں ارشاد ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ** تَلْعَنُوا السَّيِّئِينَ بِالْعَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ۚ إِنَّ أَسَىٰٓءَ مَا يَكُونُ لَكُمْ أَنَّ تُؤْتُوا السَّيِّئِينَ أَلِيًّا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُكَذِّبُونَ ۚ

ایک اور آیت میں ہے۔ **لَا تَجِدُوا قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ** **وَرَسُولَهُ**۔

ترجمہ ۱۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی کوئی بھی قوم ان کے دشمنوں سے مودت نہیں رکھ سکتی..... یہاں تک ذکر کرنے کے بعد تفتیہ کی حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یعنی تفتیہ کی حالت میں ان کو ولی بنانا اور ان سے مودت رکھنا جائز ہے۔ اگرچہ حکم اقلیٰ کے تحت ایسا کرنا حرام ہے..... اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ اتفاق سے مراد تفتیہ ہے اور تفتیہ اور اتفاق دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ بلکہ ”حسن“ اور ”مجاہد“ کی قراتوں میں ”اتفاق“ کے بجائے تفتیہ ہے۔..... امین الاسلام طبرسی مجمع البیان میں آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر غلبہ رکھتے ہوں اور اہل ایمان مغلوب ہوں اور کافر

۱۔ سورہ ممتزہ ۱۔

۲۔ سورہ مجاہد آیت ۲۲۔

## تَقِيٍّ مَّا حَكَمَ تَكْلِفِي

اصحاب ائمہ کے نزدیک مشہور ہے کہ تفتیہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، استحباب، مکروہ اور مباح۔ ہماری تحقیق بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اپنی بحث کا آغاز حوازا تفتیہ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی حرمت اور پھر استحباب و کراہت کو بیان کریں گے۔..... اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض موقعوں پر تفتیہ جائز ہے جس کی دلیل اجماع و آیات قرآن کے علاوہ احادیث متواترہ و معتدلہ ہیں۔ پہلے ہم آیات کو ذکر کرتے ہیں..... چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد رب العزت ہے۔ **لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ** **الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ** **مَنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ** **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ ۚ** **لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ** **مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ** **وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ**۔ (آیت ۲۸)

ترجمہ ۱۔

مومن مومنوں کو جو جو ذکر کافروں کو ولی نہ بنائیں جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے



کے ساتھ حسن معاشرت اور موافقت نہ رکھنے کی صورت میں مومنوں کو خوف لاحق ہو تو تفسیر کرتے ہوئے  
 نبلی طور پر اظہارِ حق و عدالت ہائز ہے لیکن دلی اعتقاد نہیں ہونا چاہیے..... چنانچہ مفسرین  
 کو جان کا خطرہ ہو تو آیت اس وقت دین میں تفسیر کے جواز پر دلالت کرتی ہے اسی بنا پر اصحاب  
 تشیع مرویت کے وقت ہر طرح کے اقوال میں تفسیر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی لطف و غیر  
 خواہی کے عنوان سے تفسیر اقوال میں واجب ہو جاتا ہے۔ اور افعال میں اگر تفسیر قتل مومن اور  
 دین میں فساد کا باعث بنے تو جائز نہیں ہے۔

شیخ الطائف حضرت شیخ طوسیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں ”جان کے خوف پر  
 تفسیر ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اگرچہ اظہارِ حق کا جواز بھی روایت میں آیا ہے۔..... بلکہ چنانچہ  
 حسن روایت کرتے ہیں کہ مسلمانہ کذاب نے حضرت رسالت کے دو صحابیوں کو گرفتار کیا ایک  
 سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ”ہاں“۔ مسلمانہ نے کہا  
 ”کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ صحابی نے کہا ”ہاں“ مسلمانہ کذاب نے  
 دوسرے شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟“  
 اس شخص نے کہا ”ہاں“ مسلمانہ کذاب نے پوچھا ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول  
 ہوں؟“ صحابی نے جواب دیا کہ میں ہر امیوں ”مسلمانہ کذاب نے تین تیر اس سے پوچھا مگر  
 صحابی نے وہی جواب دیا۔ تب مسلمانہ کذاب نے اسے قتل کر دیا..... خبر حرجت دو عالم تک  
 پہنچی تو آنحضرتؐ نے فرمایا ”مقتول نے صدق یقین پر عمل کر کے فضیلت کا مقام حاصل کیا جو  
 اس کیلئے مبارک ہو.....“

رہ گیا دوسرا شخص تو اس نے لٹکی دی ہوئی جھوٹ سے استفادہ کیا ہے لہذا  
 وہ معذور ہے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر جھوٹ ہے جب کہ اظہارِ حق فضیلت ہے  
 حالانکہ ہماری احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفسیر واجب ہے اور اس کی مخالفت خطا ہے  
 رہتے شیخ الطائف۔ لیکن ہم اپنے قارئین کو منقریب بتائیں گے کہ بعض مومنوں نے تفسیر  
 واجب ہے اور بعض پر جائز۔ کچھ موارد ایسے ہیں کہ جہاں تفسیر مستحب ہے جب کہ کچھ موارد میں ترک  
 تفسیر اور اظہارِ حق ضروری ہے۔ اور چونکہ تمام روایات ایک ہی مورد کے لئے نہیں ہیں لہذا ان میں  
 تعارض نہیں جو شیخ طوسی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔..... مختصر یہ کہ آیت بطور اجمال  
 جواز تفسیر پر دلالت کرتی ہے۔ بلکہ آیت میں عنوان تفسیر بطور واضح مذکور ہے۔ اس لئے کہ تفسیر  
 اور اتفاق کے ایک ہی معنی ہیں اور آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے زیادہ قاریوں نے اتفاق  
 کی جگہ تفسیر کی قرأت کی ہے۔

اس قبیل کی ایک آیت سورہ نمل میں ہے۔ ”من كفر بالله بعد ايمانه  
 الا من نكرو وقلبتهم مطمئن بما الاريهم ولكن من نكرو بال كفر صدق افعليم  
 غضب من الله وطمع عذاب عظيم“ (۱۰۶-۱۰۷) اس آیت کے شان نزول میں مفسرین  
 نے جن امور کو ذکر کیا ہے وہ آپس میں قریب المعنی ہیں۔ اگرچہ اشتخاص و اماکن میں اختلاف  
 ہے۔

بعض تفسیر میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عمار، ان کے والد یا سر اور والدہ سمیہ  
 اور حبیبہ رضی اللہ عنہن کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کفار نے ان حضرات کو قید کر کے سخت  
 اذیتیں دیں اور ان کو اسلام اور رسول خدا سے بیزاری اور کفر جاری کرنے پر مجبور کیا.....

حضرت عمار کے والدین نے صاف انکار کر دیا اور اسلام میں پہلے دو شہید ہونے کا شرف حاصل کیا  
حضرت عمار نے زبان سے وہ کیا جو کفار چاہتے تھے لیکن ان کا دل مطمئن تھا۔ اسی  
درمیان کچھ لوگوں نے حضور کو بتایا کہ عمار کافر ہو گئے۔ تو پیغمبر نے فرمایا کہ عمار سرِ اہل ایمان میں اور  
ایمان اس کے گوشت و خون میں مخلوط ہے۔ اسے ختم کر دیکھا کہ عمار روتے ہوئے حضور کی خدمت  
میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت نے پوچھا۔ عمار تمہارے پیچھے کیا خبریں ہیں؟ عرض کی یا رسول اللہ  
شری شری ہے۔ مجھے مجبور کیا گیا کہ میں آپ سے نیز اسی ظاہر کر دوں اور ان کے خداؤں کی تعریف  
کروں..... آنحضرت نے عمار کے اس پوچھے اور فرمایا اگر دوبارہ مجبور کر س تو وہی کہو جو وہ  
چاہیں..... اسی پر آیت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابو جہل کے بھائی عیاش بن ابی مرثدہ  
اور ابی جہل وغیرہ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے ان کو وہ کچھ پر مجبور کیا  
جو وہ چاہتے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ہجرت اختیار کی اور جہاد میں حصہ لیا تو یہ آیت نازل  
ہوئی۔

کچھ مفسرین کا بیان ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ ایمان سے شرف ہو کر جب مدینہ کی جانب  
رہنا نہ ہوئے تو راستہ میں قریش نے ان کو اظہار کفر پر مجبور کیا۔ تو ان کے مجبوری میں ایسا کرنے پر  
آیت نازل ہوئی۔

لیکن ان میں پہلا قول زیادہ ٹھوس ہے..... آیت کریمہ ضرورت کے وقت بطور  
تقیہ اظہار کفر کے حجاز پر طالت کرتی ہے جب انسان کا قصد کفر نہ ہو۔ اگرچہ آیت مقام کو لو میں نازل  
ہوئی ہے اور تقیہ میں اکراہ مقبہ نہیں ہے۔ بلکہ بغیر اکراہ کے بھی تقیہ جائز ہے۔ لیکن اگر وقت  
کی جاتے تو اکراہ اور تقیہ کے ملاک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں کا ملاک ترک  
ہم کے ذریعہ ضرر اہم کا نالہ ہے۔

یہ تو حکایت کے عنوان کے اعتبار سے۔ برا اعتبار دیگر اگرچہ مفاد آیت کفر و ایمان سے  
متعلق ہے۔ لیکن حکم آیت ان دونوں کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ ہماری ہے۔ اس لئے کہ جب  
کفر و ایمان جیسے بنیادی مسئلہ میں تقیہ جائز ہے تو دیگر مسائل میں شرائط کی موجودگی میں قلعی  
طو پر جائز ہے۔.....

چنانچہ محقق بیضاوی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ مجبوری میں نیت کلام کفر کو بظاہر  
پر دلالت کرتی ہے اگرچہ دین کے اعزاز کی خاطر اس سے پرہیز کرنا افضل ہے جیسا کہ حضرت عمار کے  
والدین نے کیا۔ پھر انہوں نے حسن سے مروی گذشتہ روایت نقل کی ہے کہ جو ان دو افراد کے بارے  
میں ہے جن کو سید بنے گرفتار کر کے اپنی نبوت کی جھوٹی گواہی دلائی جا رہی تھی ایک نے انکار کیا  
حضور نے فرمایا کہ پہلے نے پروردگارِ عالم کی رخصت سے فائدہ اٹھایا جبکہ دوسرے نے حق کو برا کیا  
اور وہ اسے مبارک ہو۔

اسی طرح کی ایک آیت سورہ فافہ میں ہے جس میں مؤمن آل فرعون کا ذکر ہے۔  
وقال رجل مؤمن من آل فرعون يكتم ايمانه اتقتلون رسول الله ان يقول بلى والله وقد  
جاءكم بالبينات من ربكم ۵۔ فافہ آیت ۵۔

یہ آیت اور اس کے بعد دہائی آیت مؤمن آل فرعون کا قصد اور اپنی قوم کے سامنے ان  
کے احتجاج کو بیان کرتی ہے جس کو قرآن نے رفا و قبولیت کی زبان میں پیش کیا ہے.....  
یہاں تک کہ "یکتم ایمانہ" کو بھی اسی انداز میں نقل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ  
لاحق ہو تو کتمان ایمان جائز ہے بیشک کتمان ایمان صرف ایمان کے ظاہر نہ کرنے سے ممکن  
نہیں بلکہ اس کے لئے ایمان کے خلاف بھی بولنا پڑتا ہے خصوصاً ایسے موقع پر جب کتمان  
ایمان کا مادہ مؤمن آل فرعون کی طرح طولانی ہو۔ اس وقت کفار کے ساتھ تعامل میں مشترک اور متونو  
کے مخصوص اعمال ترک کئے بغیر ممکن نہیں کہ انسان ایمان کو پوشیدہ رکھے.....



بہر حال یہ کہنا کہ ایمان کا مطلب حق کے خلاف کچھ کہے بغیر حق کا ظہور کرنا ہے تو یہ صرف تبلیغی دعویٰ ہوگا۔ خاص طور سے ابن عباس کی نقل کے مطابق اس وقت تک فرعون میں مومن نہ تھے۔ فرعون جن کو حضرت موسیٰ نے مومن بنایا تھا اور فرعون کی بیوی کے نیز کوئی مومن تھا ہی نہیں..... اب اگر کوئی شخص ایسے موقع پر خلاف ایمان عمل کرالے تو اسے تقیہ کہا جاتا ہے۔ اور ایت بطور اجمل اس پر دلالت کرتا ہے..... چنانچہ طبری نے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے۔ اپنے فریاد التقیہ مدینی و دین آبادی فلا دین لمن لا تقیہ لہ والتقیہات رس اللہ فی الارض لان مومن آل فرعون لو اظہر الاسلام لقتل۔

مع الیہین جلد ۸ ص ۵۳۱

ترجمہ:

## احادیث تقیہ

مواقع خوف میں عمل تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کے متواتر ہونے میں شک نہیں۔ یہ احادیث چند حصوں میں منقسم ہیں۔ اور ہر ایک حصہ بعض خصوصیات تقیہ کے بارے میں ہے۔ مذکورہ احادیث بے شمار فوائد و لطائف پر مشتمل ہیں..... جن میں تقیہ کے اسباب، نتائج، کیفیت، حدود و اقسام اور مولد و موجب و حرمت کے علاوہ ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جہاں تقیہ نہیں کیا جاتا۔

یہ احادیث "الوسائل" کی گیارہویں جلد کتب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہت سے ابواب میں مذکور ہیں۔ چنانچہ..... ہماری تقسیم کے مطابق یہ احادیث پانچ ٹائٹلوں پر مشتمل ہیں۔

### پہلا طائفہ

ان احادیث پر مبنی ہے جو تقیہ کو مومن کے لئے پیکر حرجان اور محافظ نفس قرار دیتی

تقیہ میرا اور میرے آبا و اجداد کا دین ہے جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ یہ زمین پر اللہ کی سپر ہے۔ چنانچہ مومن کل فرعون اگر اسلام کا ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیے جاتے..... مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مینوں مانگیں جان کے خطرے کے وقت واضح طور پر تقیہ کو واجب قرار دیتی ہیں۔ روایات جو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولد تقیہ بھی فقط وہی نہیں جو گذشتہ آیتوں میں بیان ہوئے بلکہ عمل اصحاب کہف اور شیخ الانبیاء حضرت بلالہم کا بت توڑنے کے بعد اپنی قوم کے سامنے جواب حضرت یوسف کی اپنے بھائی کو اپنے پیاس روکتے وقت بھائیوں سے گفتگو وغیرہ سب کچھ تقیہ پر مبنی تھا جس کے بارے میں ہم عنقریب عرض کریں گے کہ تقیہ صرف جان کے خطرے کے وقت حق کو چھپانے اور اس کے خلاف ہونے کا نام ہی نہیں بلکہ کچھ دوسرے مصالح کی بنیاد پر بھی مومن کو چھپایا جائے۔ تو اسے تقیہ کہتے ہیں..... بہر کیف یہ تھا تقیہ کے جائز ہونے کے بارے میں قرآن کریم کا جملی اور روشن فیصلہ۔

ہیں۔ اس معنی کے تحت بہت ساری احادیث ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ کہنی کافی میں اپنی سند کے ساتھ احمد بن مروان کے واسطے سے ابی عبد اللہ سے نقل ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے واسطے سے فرمایا کہ تھے کہ "تقیۃ علیا کو کوئی چیز میری انگلیوں کی ٹھنک نہیں ہو سکتی اس لئے کہ تقیۃ مؤمن کی سپر ہے"۔

۲۔ کافی میں کہنی عبد اللہ ابن ابی عبد اللہ ابن ابی یعفور سے روایت کرتے ہیں۔ ابی یعفور راوی ہیں کہ میں نے ابی عبد اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے "تقیۃ مؤمن کے لئے سپر اور حرز جان ہے"۔

۳۔ کہنی نے کافی میں حریر کے حوالے سے ابی عبد اللہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "تقیۃ اللہ اور اس کے بعدوں کے درمیان اس کی سپر ہے"۔

۴۔ سعد ابن عبد اللہ نے ابی عبد اللہ سے روایت میں جمیل بن صالح کے واسطے سے ابی عبد اللہ سے نقل کیا ہے "آپ نے فرمایا کہ میرے پدر جبرگوار فرمایا کہ تھے تقیۃ سے نیا کوئی چیز میری انگلیوں کی ٹھنک نہیں اس لئے کہ تقیۃ مؤمن کی سپر ہے"۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ ع / قال کان ابی یقول وی شقی طبعی من الشقیۃ ان الشقیۃ بہتت المؤمن - وسائل جلد ۱۰

۲۔ قال سعت ابی عبد اللہ یقول ان الشقیۃ ترس المؤمن ولا تقیۃ تخرز المؤمن - وسائل جلد ۱۰

۳۔ عن حریر عن ابی عبد اللہ ع / قال ان الشقیۃ ترس المؤمن بیننا وبين خلقنا - جلد ۴ باب ۳۳ ابواب امر بالمعروف

۴۔ عن جمیل بن صالح عن ابی عبد اللہ ع / قال کان ابی یقول ان الشقیۃ ترس المؤمن ولا تقیۃ تخرز المؤمن - جلد ۴ باب ۳۳ ابواب امر بالمعروف

یہ روایت اس امر پر طلالت کرتی ہیں کہ جس طرح فساد میدان جنگ میں دشمن کے دیر سے محفوظ رہنے کے لئے سپر کا سہارا لیتا ہے اسی طرح حفظ نفس کے لئے تقیۃ کا سہارا لے سکتا ہے اور چونکہ دشمن کے حمل سے بچنے کے لئے سپر کا استعمال واجب ہے لہذا کہا جاسکتا ہے کہ تقیۃ کے ذریعہ بھی دشمن سے مخفی رہنا واجب ہے۔ ..... اب اگر کوئی ان روایات کی وجہ تقیۃ بدطلالت کو تسلیم نہ کرے جب بھی حوالہ تقیۃ پر ان کی بدطلالت سے انکار نہیں کر سکتا۔

## دوسرا طائفہ

وہ روایات ہیں کہ جو تقیۃ کے نہ ہونے کی صورت میں دین اور ایمان کی نفی کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تقیۃ دین ہے اور تقیۃ کے بغیر دین ناقص ہے

۵۔ کہنی نے کافی میں اپنی سند کے ساتھ ابی عمر اعجمی سے روایت کی ہے، اعجمی کہتے ہیں مجھ سے ابو عبد اللہ نے فرمایا "اسے ابو عمر ابن کے دس حصوں میں سے توحصہ تقیۃ میں ہیں اور جس کے پاس تقیۃ نہیں اس کے پاس دین نہیں"۔

۶۔ عل الشراطع میں صدوق ابو العیر سے نقل ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا تقیۃ خدائے عزوجل کا دین ہے میں نے عرض کی اللہ کے دین میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں

صغیر کذا کہ تقیۃ حاشیہ

ان الشقیۃ حجتہ المؤمن - ج ۲۳ - باب ۲۳ - ابواب امر بالمعروف

۱۔ عن ابی عبد اللہ ع / قال العبد لله ع / ما بالعبد ان تقیۃ عشاء السین والتقیۃ

فلا دین لمن لا تقیۃ له - ج ۲ - باب ۲۳ - کتاب امر بالمعروف



خدا کی قسم اللہ کے دین میں سے ہے۔ ۱۔

۷۔ صدوقی مغلث الشیعہ میں بابان بن عثمان کے ذریعہ امام صادق سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: "جو تفتیہ نہیں رکھتا وہ دین دار نہیں اور جس کے پاس ورع نہیں وہ ایمان دار نہیں۔" ۲۔

۸۔ یہ وہ روایت ہے جس کو کھینی نے ابن ابی یعفور کے حوالہ سے امام صادق سے نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا: "جس کے پاس تفتیہ نہیں دہا، مان نہیں رکھتا۔" ۳۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔

ان روایات سے بطور اجمال ظاہر ہوتا ہے کہ مقامات تفتیہ میں تفتیہ واجب ہے اور یہ تفتیہ دین کے اہم اور عمدہ مسائل میں سے ہے۔ غنقریب ہم اس کی تاکید کی علت بیان کریں گے اور اگر اس کی حدود و شرائط کی رعایت کی جائے تو تفتیہ فطری امر ہے جس کی گواہی ہر انسان کا فطریہ دینا ہے۔

## تیسرا طائفہ۔

اس طائفہ کی روایات یہ بتاتی ہیں کہ تفتیہ عظیم ترین فرائض میں سے ہے۔ اللہ کے

۱۔ عن ابی بصیر قال سئل عن عبد اللہ التفتیہ بن معمر وجعل یفتی من دین اللہ۔ قال فقال لہ ولہ من دین اللہ۔ ۱۸، باب ۲۳، کتاب امر بالمعروف۔

۲۔ عن ابیہ بن عثمان عن الصادق (ع)، قال لا دین لہ لمن لا تفتیہ لہ۔ لا ایمان لہ لمن لا یتبع لہ۔ ۲۴، باب ۲۳، کتاب امر بالمعروف۔

۳۔ عن ابیہ بن ابی یعفور عن الصادق (ع) لا ایمان لمن لا تفتیہ لہ۔ الحدیث ۲۔ باب ۲۳، کتاب امر بالمعروف۔

نزدیک سب سے معزوفی ہے جو سب سے زیادہ تفتیہ پر عمل کرتا ہو اور ایمان بغیر تفتیہ کے بدن ہے سر کی مانند ہے۔ اور مدار تفتیہ میں خدا اور اس کے اولیاء کے نزدیک کوئی چیز تفتیہ سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۹۔ کھینی نے کافی میں حبیب ابن بشر سے نقل کیا ہے کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر تفتیہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ حبیب جس کے پاس تفتیہ کا اختیار ہو خدا اسے رفعت عطا فرماتا ہے۔ اے حبیب! جس کے پاس تفتیہ نہ ہو خدا اسے نچا دکھاتا ہے۔ اے حبیب! لوگ غیبت میں بسر کرتے ہیں مگر غیبت کا راز ختم ہو اور امام کا ظہور ہو جائے تو تفتیہ واجب ہوتا ہے۔ ۱۔

۱۰۔ قول پروردگار متعال: "وَعَبَّ الْقَوْمَ الْفَاسِقَ" کی تشریح میں تفسیر المصنوع میں منقول ہے: آنحضرت نے فرمایا: "اس قول کا مطلب توحید کے بعد تمام فرائض کی انجام دہی اور نبوت و امامت کا اعتقاد رکھنا۔ لیکن سب سے بڑے دو فرائض ہیں۔ اپنے دینی بھائیوں کے حقوق ادا کرنا اور دشمنوں سے بچنے کے لئے تفتیہ کا سہارا لینا۔" ۲۔

غنیٰ نے سب کے احوال کے اٹھاسویں باب یعنی باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں دو حدیثیں بنویں ہیں۔ اور امام حسن حکمرانی تک ایک ایک حدیث ہر امام سے منقول ہے کل ملاکر تیرہ حدیثیں ہیں اور ہر حدیث امام کی تفسیر اور اس کی وساطت سے منقول ہے۔ صاحب وسائل نے ائمہ کی ترتیب کے تحت ان کو نقل کیا ہے مگر چنان کی عبارتیں اور الفاظ مختلف

۱۔ ج ۸۔ باب ۲۳۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ج ۱۔ باب ۲۸۔ ابواب امر بالمعروف۔





## چوتھا طائفہ

وہ احادیث ہیں جو انما میں تفسیر کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں کہ انبیاء ماسلف نے کئی مواقع پر تفسیر سے کام لیا ہے۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۱۶۔ مدونق نے "عل" میں ابی بصیر کے حوالے سے امام محمد باقر سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس شخص کے پاس کوئی خیر نہیں جو تفسیر پر عمل نہیں کرتا جب کہ حضرت یوسف نے تفسیر پر عمل کرتے ہوئے فرمایا، "اے قافلہ والو! تم چور ہو"۔ حالانکہ انھوں نے چوری نہیں کی تھی۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ حضرت یوسف نے بذات خود یہ خواہش نہیں فرمائی کہ چونکہ آپ کے اسرار آپ کی رضایت سے آپ کے ماتحتوں نے یہ جملہ کہا ہے لہذا اس کی نسبت حضرت یوسف کی طرف دی گئی ہے۔ اس لئے کہ قافلہ والوں نے اس وقت کوئی جبری نہیں کی تھی البتہ پہلے انھوں نے حضرت یوسف کو چرایا تھا۔ لہذا حضرت یوسف کا مؤذن سے یہ جملہ کہنا تفسیر نہیں بلکہ ایک قسم کا توہین ہے لیکن یہ توہین بھی بعض مصالح کے تحت برہائے تفسیر حق کو پوشیدہ رکھنے کے حضرت بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کی خاطر کیا گیا۔

اور مخفی نہ رہے کہ یہ تفسیر بھی جان کے خطرے کو ٹالنے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے مصالح کی بنا پر ہے۔ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ تفسیر صرف خوف ہی کی بنا پر نہیں ہوتا۔

۱۔ عن ابی بصیر قال، سمعت ابی جعفر (ع) یقول، لا خیر فیمن لا تفسیر الہ ولقد قال یوسف

"ایضا المیراتکم لسوقون" ص ۱۷ باب ۲۴۔ الباب امر بالمعروف۔

البتہ واضح رہے کہ تفسیر کی تفسیریں بیان احکام اور تبلیغ رسالت میں نہیں جس کی بنا کسی کو یہ وہم ہو کہ انبیاء و مسلمین کے لئے تفسیر جائز نہیں۔ بلکہ یہ باب تبلیغ کے علاوہ بعض مصالح کی حفاظت کے لئے ہیں

۱۷۔ اس روایت کو بھی حضرت مدونق نے "عل" میں ابی بصیر کے واسطے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا، "تفسیر دین پروردگار متعال ہے" میں نے عرض کی "آیا تفسیر دین خدا کا جز ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا، خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ اسی لئے حضرت یوسف نے فرمایا اسے قافلہ والو! تم نے چوری کی ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم انھوں نے کچھ نہیں چرایا۔ اس روایت کی توجیہ بھی دی ہے جو گلدشتہ روایت کی ہے۔

۱۸۔ اس روایت کو گیلینی نے کافی میں ابی بصیر کے حوالے سے حضرت ابو عبد اللہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تفسیر دین الہی کا جز ہے۔ اس کے بعد وہی پہلی روایت دالے فقرہ استاد فرمانے کے بعد امام نے انصاف فرمایا، بے شک حضرت ابراہیم نے فرمایا "میں بیمار ہوں" جب کہ خدا کی قسم وہ بیمار نہیں تھے۔

۱۔ عن ابی بصیر قال، قال ابو عبد اللہ (ع) التفسیر دین للہ حیر وجہ۔ قلت من دین اللہ۔؟ قال فقلت لا من دین اللہ لک قال یوسف (ع) "ایضا المیراتکم لسوقون" ولانہ ما کافر سورۃ نوحینا ج ۱۸ باب ۲۴۔ الباب امر بالمعروف۔

۲۔ قال کان عن ابی بصیر ایضا قال، قال ابو عبد اللہ (ع) التفسیر دین اللہ۔ ثم روی فی اصول التواریخ السابقۃ ثم زاد قولہ ولقد قال ابو نعیم (ع) "انک سقیم" ولانہ ما کان سقیماً۔ ج ۳۔

باب ۲۵۔ الباب امر بالمعروف۔

جناب ابراہیم کے اس قول کو عرف اس بنا پر تفسیر کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دینی مصلحتوں کی بنا پر اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا۔ یہ احکام میں تفسیر نہیں بلکہ یہ موضوعات میں ہے جو آپ کی رسالت سے منافات نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ بت شکنی میں ادلہ رسالت ہے۔

۱۹۔ معانی الاخبار میں سفیان بن سعید کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا تم تفسیر لازمی ہے اس لئے کہ بے شک تفسیر سنت متخلل خدا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: رسول خدا جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدارات کرتے تھے اور فرماتے تھے مجھے میرے پروردگار نے لوگوں کے ساتھ مدارات کا حکم دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مجھے آقا نے فراموش پرناور فرمایا ہے۔ خدا نے آنحضرت کو تفسیر کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا: ”ادفع بالحق ہوا حسن فاذا الذی بینک و بینہما حدیثاً کانہ و لیسیم و ما یلقاھا الا الذین صبروا“ اسے سفیان جو دین خدا میں تفسیر استعمال کرتا ہے قرآن سے جسے پانچ پر فائدہ اٹھاتا ہے۔ بے شک مومن کی عزت ذہن کی حفاظت میں ہے۔ جو شخص اپنی زبان کا ملک نہیں وہ غلامت اٹھاتا ہے۔

یہ روایت شاید ہے کہ پیغمبر اسلام بھی بعض موضوعات میں لوگوں کے ساتھ مدارات اور قلوب مؤمنین سے بغض و عداوت دور کرنے کی خاطر تفسیر سے کام لیا کرتے تھے جب کہ احکام و تبلیغ رسالت میں بزرگ تفسیر نہیں کرتے تھے۔

اس روایت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بتوں کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم کا تفسیر یہ کہتے ہوئے کہ میں بہادریوں یا حضرت کا یہ فرمانا کہ ”یہ میرا ہمدرد گار ہے“ یا یہ قول کہ

۱۔ بلکہ ان کے جس نے یہ فعل انجام دیا ہے ”حضرت ابراہیم کی سنت ہے۔ اور یہ تفسیر کہ ایک وسیع مفہوم میں داخل ہے جو بعض اہم مصالح کی خاطر کسی اہم امر کو پوشیدہ رکھنا کا ہے۔

۲۰۔ کلینی نے ہشام بن سالم کے حوالہ سے امام جعفر صادق سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک ابوطالب کی مثال اصحاب کف ہیں جنھوں نے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک کا اظہار کیا پس خدا نے ان کو دوسرا اجر عطا فرمایا۔

مذکورہ آیت مگر چھ بیوں کے تفسیر کے بارے میں نہیں تاہم ہم نے اس کو بیوں کے تفسیر سے ملحق کر کے ذکر کیا ہے۔..... قرآن مجید میں اصحاب کف کا تقدیر موجود ہے۔ لیکن

اس میں لفظ تفسیر صراحت کے ساتھ موجود نہیں۔ مگر قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب کف اپنے دھتوں سے تفسیر کرتے تھے اور آخر میں اپنی قوم سے کٹ کر انھوں نے اپنا راز

فاش ہو جانے کے نتیجہ میں بادشاہ کی سختیوں کے خوف سے ایک غار میں پناہ لی۔ اگر وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیئے جاتے۔ اسی لئے وہ ایک عرصہ تک اپنا ایمان چھپاتے رہے

یہاں تک کہ خدا نے ان کو ہجرت کر جانے کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ اظہار ایمان کی فرصت کی تلاش میں اپنی قوم کے درمیان سے ہجرت کر گئے تاکہ ان کو تفسیر میں رہ کر اظہار شرک نہ کرنا پڑے

..... روایات اور تواتر میں ایسے شواہد موجود ہیں۔ مگر یہ لفظ تفسیر سے استغناء نہیں کیا گیا ہے لیکن مطلب استغناء واضح ہے کہ لفظ تفسیر کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

یہ روایت پیغمبر اسلام کے عم بزرگوار جودل و جان سے حضور کی حمایت میں کوشاں



رہتے تھے کے تفتیر پر بھی دلالت کرتی ہے..... البتہ ان کا تفتیر اکثر مواقع پر ان کے اظہار  
ایمان سے منافات نہیں رکھتا جیسا کہ تاریخ و روایات سے پتہ چلتا ہے..... مگر حضرت  
ابو طالب اکثر تفتیر کرتے تھے نہ ہمیشہ اور وہ بھی دشمنوں سے ہوتا تھا کہ دونوں سے شاید اس  
وجہ سے مخالفین نے ان پر معاذ اللہ فخرک ہونے کا الزام لگایا ہے۔

بہر حال یہ روایات کم سے کم ان موارد تفتیر میں اس کے استحباب یا وجوب پر دلالت  
کرتی ہیں جن میں اخفا حق واجب ہو یا کم سے کم رجحان رکھتا ہو..... اس کے علاوہ اور  
بھی بہت سی روایات ہیں جو تفتیر کے رجحان یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ متعدد  
بخشوں میں ہم ان روایات کو ذکر کریں گے اور چونکہ یہ روایات متواتر ہیں لہذا اصل وجوب  
تفتیر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

## چند ضروری امور

اول۔ تفتیر میں اس قدر تاکید کی

علت اور سبب کیا ہے؟

اس کا جواب پیش کرنے سے پہلے ہم سوال کی وضاحت کر دیں، اس میں کوئی شک  
نہیں کہ ان روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تفتیر میں اتنی تاکید ہے  
جو دوسرے مسائل میں کم نظر ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے وحشت اور بظنی میں مبتلا ہو جاتا  
ہے کہ یا الہی یہ ماجر کیا ہے؟ حالانکہ یہ وحشت اور بدگمانی تفتیر کے اسرار و رموز نہ جاننے  
کی بنا پر ہے..... اس کے برعکس اگر انسان تفتیر اور اس کی شریعت کے زماں میں  
مذہب سے کام لے کر ان شواہد کا مطالعہ کرے جو اس میں موجود ہیں تو اس کا راز اس کے سامنے  
منکشف ہو کر تفتیر کی حقیقی تصویر پیش کر دے گا جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ کرنے  
پر مجبور ہو گا کہ تفتیر میں اس قدر اہتمام کی دو بڑی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

## پہلی وجہ

یہ ہے کہ شیعوں میں سے عوام کی اکثریت اور بغض خواں سویلوں اور عباسیوں جیسی فاسد حکومتوں کے سامنے بلا خوف و خطر اور بغیر کسی دلیل قطعی کے اظہار حق کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے تھے..... گویا ان کا نظریہ یہ تھا کہ اعلان حق ضروری ہے چاہے وہ منفعہ بخش اور واجب مذہبی ہو اور اس کو پوشیدہ رکھنا حرام ہے چاہے وہ مذہب اور اس کے مقدسات کے لئے باعث ضعف و ضرر مذہبی ہو بلکہ چاہے اختلاف حق نفوس و اموال کی حفاظت اور مذہب اور اس کے مقدسات کے لئے مفید ہی کیوں نہ ہو..... یا.....

.... وہ یہ خیال کرتے تھے کہ تہذیب و تمدن ہے اور کلمہ شریک کا زبان پر لانا شریک و کفر ہے چاہے دل ایمان سے مطمئن ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ کلمہ کفر کے اظہار کے بعد عمار بھوت بھوت کر روئے اور انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں جو ان کے لئے ہلاکت کے مترادف ہے..... چنانچہ صورت حال یہ تھی لہذا ائمہ معصومین علیہم السلام نے ایسے غیر مفید اعمال سے روکا اور ان کی باطل آراء کو رد کر دیا جس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایسے موارد میں تہذیب کو سپرد اور مصالح وغیرہ سے تعبیر کیا۔

اس کے علاوہ امام جعفر صادق کی وہ روایت ہے کہ جس کو حد بغیر نے پروردگار عالم کے اس قول "وَلَا تَقْلُوا بِدِينِكُمْ آلَئِنَّكُمْ لَمَكَّةَ" کے بارے میں نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ تہذیب کے بارے میں ہے..... اور..... مثلاً وہ روایات

کہ جن میں انبیاء اور اولیاء کے تہذیب کا تذکرہ ہے اس میں بہترین دلیل میں کہ تہذیب کو مذہب ممنوع ہے اور کفر اور دین سے خارج ہو جانے کا موجب ہے بشرطیکہ موقع ہو۔ چنانچہ اس کی شہادت میں ہم وہ روایات پیش کر رہے ہیں کہ جس کو کوفہ میں نے "درست و اسلمی" کے ذریعہ ابو عبد اللہ سے نقل کیا ہے "ناب نے فرمایا کہ اصحاب کہف جیسا تہذیب کسی نے نہیں کیا۔ اگرچہ وہ ان کی عیدوں میں شریک ہوتے تھے اور "زنا" بھی باندھتے تھے مگر خدا نے ان کو وہ ہر اجر و کرامت فرمایا۔"

## دوسری وجہ

یہ ہے کہ شیعیہ عوام کی اکثریت اور بغض خواں اپنے کو مسلمانوں سے الگ کر لینے ہی میں حافیت سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرتے تھے تو اس سے صرف ان کو جان کا خطرہ ہوتا تھا بلکہ دشمنی اور بغض میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ اور اگر وہ اس کو چھپانے پر مجبور ہوتے تھے تو وہ خود کو حق کے سامنے قصور وار سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو جھوٹا شریک خیال کرتے تھے۔ لہذا وہ سنی مسلمانوں کے ساتھ ترک معاشرت ہی کو ترجیح دیتے تھے جبکہ وہ اس ترک معاشرت کے نقصانات سے قطعی طور پر غافل تھے کہ اس سے خسارت دہے اپنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور عواطف انسانیہ کو ٹھیس پہنچتی ہے..... چنانچہ.....

ائمہ علیہم السلام نے ان کوششوں کے ساتھ معاشرت برقرار رکھنے کی تاکید کی تاکہ ان پر ترک معاشرت کا الزام نہ لگایا جائے اور وہ اپنے امموں کے لئے بدنامی کا باعث نہ بنیں۔



چاہے اس ماہ میں ان کو تہیہ کا سیدھی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ ہمارے اس مددگار گواہ حج ذیل روایتیں ہیں

۱۔ کافی میں لکھنی نے ہشام الکندی کی زبانی نقل کیا ہے کہ تھے میں نے صادق آل محمد کو فرماتے ہوئے سنا..... خبردار! کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے لوگ ہم پر انگلی اٹھائیں اس لئے کہ بیٹے کی نالائقی کے سبب لوگ اس کے باپ پر انگلی اٹھاتے ہیں۔ اپنے گذشتگان کی نیک نای کا باعث بنو ان کی بدنامی کا باعث نہ بنو۔ بیٹیوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو..... یاد رکھو! وہ تم پر کسی مریض میں سبقت نہ لے جائیں۔ اس لئے کہ انجام خیر کے لئے ان کی برائیت تم زیادہ بہتر ہو۔ خدا کے قسم تہیہ سے زیادہ بہتر کسی چیز کے ذریعہ بھی خدا کی عبادت نہیں کی گئی۔

یہ روایت بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اہلسنت سے کنارہ کشی درست نہیں بلکہ ان کے ساتھ معاشرت لازم ہے۔ مثال کے طور پر ان کے ساتھ نماز، ان کے مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت اور اس کے علاوہ تمام امور میں ان کے ساتھ تعاون اور حسن معاشرت لازمی ہے۔ تاکہ وہ تمک معاشرت کے بہانے سے تمہارے ساتھ پر انگلی نہ اٹھا سکیں

۱۔ ذالکافی عن ہشام الکندی قال سمعت ابا عبد اللہ (ع) یقول: ایاکم ان تعملوا علیہ لایعیرہ فان ولداتہ وریعین والدہ علیہ۔ کونوا لمن انقطعتم الیہ فیسئلوا تکونوا علیہ شیئاً۔ صلوا علیہ عشقوہم وعودوہم رضاعہم وایضا نزلہم ولا یسئلوکم المشی من الضعیف فانتم اولوہ منہم واطلہ وعبداً فبشوا حب الیہ من اخطا۔ قلت وما الخطیاء؟ قال: النقیۃ۔ ج ۲۔ باب ۲۶۔ ابواب امر المعروف۔

اور خود ان کی اور ان کے ماننے والوں کی اذیت کا سامان فراہم نہ کر سکیں۔ اور ہاں ان کے ساتھ حسن معاشرت کے سلسلہ میں تہیہ جاننا ہے اور یہ تہیہ پسندیدہ ہے۔

اس روایت کو بھی لکھنی نے مدرک ابن ہزار کے حوالہ سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا اس بندے پر رحم کرے جو عوام انسان کے ساتھ مودت کا برتاؤ رکھتا ہے۔ دبی کہتا ہے جس کو وہ پسند کرتے ہیں اور جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کو ترک کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ من پسند بت کہنا اور ناپسندیدہ باتوں کو ترک کر تہیہ کے محبوب ترین مہلہ میں سے ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے کہ امام حسن نے فرمایا تہیہ کے ذریعہ خدا اہمت کی اصلاح فرماتا ہے۔ تہیہ کرنے والے کا لالہ امت کے اعمال کے ثواب کے برابر ہے مگر وہ تہیہ ترک کر دے تو گویا اس نے امت کو ہلاک کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تاکہ تہیہ امت کو ہلاک کرنے والے کا شریک نہ ہو تاکہ۔

اس روایت میں تہیہ کو امت کے حقوق کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب شاید یہ ہو کہ یہ دلوں امت کی وحدت اور اس کے مذہب کی حفاظت میں شریک ہیں۔ اگرچہ تہیہ میں تاکید خواص شیعوں کے لئے ہے اور حقوق امت کی تاکید عامہ شیعوں کے لئے ہے۔

اس کے علاوہ تہیہ حضرت زوالقرنین میں خداوند متعال کے اس قول "اجعل بیننا

۱۔ ذالکافی عن محمد بن ابی حمزہ عن ابی عبد اللہ (ع) قال رحمہ اللہ عبدی اجترتہ ووقفتہ اس الم نفسه فحمدہم بہا یعرفون وشرک ما ینکرون۔ ج ۳۔ باب ۲۶۔ ابواب امر المعروف۔

وینہم بدأ " اور "فما استطاعوا ان يظهروه وما استطاعوا ان ينقبوا" کی تفسیر میں بہت ساری روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد تقیہ ہے۔ اس لئے کہ تمہارے اور دشمنوں کے درمیان ایسی مضبوط دیوار ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے دشمنوں کا کوئی وار کاگر نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ آیت سے یہ معنی مراد لینے کے لئے اس کے ظاہر سے عدول کر کے اس کی تاویل میں جانا پڑے گا تاہم اس کے مناسب معنی پیدا کئے جائیں۔ لیکن بہر حال آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تقیہ دشمن کے لئے بہترین سد باب ہے۔ یہ صرف دشمن کی جانب سے ہو نچنے والے نقصانات ہی کے دروازے بند نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کی تہمت، ملامت وغیرہ کے سد باب کے لئے بھی اچھا چاہہ اگر اولیٰ ہی دیوار ہے کہ دشمن نہ تو اس کو پھانڈ سکتا ہے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتا ہے۔

علاوہ براین اس میں ائمہ معصومین علیہم السلام پر کمینہ لوگوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات، جھوٹی افواہوں اور بغض و عناد کا بھی سد باب ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دشمن اپنے فائدہ مند منصوبوں کو بروئے کار نہیں لاسکتا۔ اور نہ ہی ان مقدس زمینوں کی ہنگ حرمیت کا ترکیب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ "مجالس" میں مذکور امام علی بن محمد سے ایک روایت اس شاہد ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام صادق نے فرمایا جو شخص تقیہ نہ کرے کمینہ لوگوں سے ہم کو محفوظ نہیں رکھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

۱۔ قال الصادق: "ليس شائن لم يلزم التفتة ويصوننا من سفلة الترهيفة" ج ۲ ص ۲۷۔

## ۲۔ تقیہ تا کی غرض و غایت اور اس کی قسمیں۔

مذکورہ بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ تقیہ کی غرض و غایت صرف نفوس مومنین کی حفاظت اور ان کو دہشتِ خطرات کا دفاع یا ان کے اموال و ناموس کی صیانت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی وحدت کی حفاظت اور ان کے درمیان رشتہ محبت برقرار کرنے اور ان کے دلوں کی گدورتوں کے بادل صاف کرنے کے لئے کبھی کبھی ایسے مواقع پر تقیہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں عقیدے کے انہار اور اس کے دفاع میں کوئی مصلحت اور ہم فائدہ موجود نہ ہو..... اسی طرح تبلیغ رسالت کے فرائض کو بطور احسن انجام دینے کے لئے بھی تقیہ کا استعمال مشروع ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم نے بت پرستوں کے مقابل میں کیا یا اس کے علاوہ اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کی خاطر بھی تقیہ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کے سامنے تقیہ سے کام لیا۔

بندہ لکھن تقیہ کے وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی قسمیں درج ذیل کہتی ہیں۔

۱۔ تقیہ خونی۔

۲۔ تقیہ تمحیسی۔

۳۔ مختلف مصلحتوں کی خاطر تقیہ۔

گذشتہ صفحات میں منوں نمونوں کی تشریح مثالوں کے ساتھ ہو چکی ہے۔ "مترجم"





انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ سرے سے تفتہ کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی استثنائے کے روادار نہیں ہیں وہ بھی صرف مذہبی حد تک ایسا کرتے ہیں۔ مگر آپ ان کی علمی زندگی کا مشاہدہ کریں تو تفتہ سے پر نظر آئے گی۔ ان کے زبانی دعوے صرف روڈی روٹی پر قرار رکھنے کیلئے ہیں۔ دروغی میلان میں ایسے موارد میں تفتہ پر عمل کہ نہ ف کے سلسلہ میں کہ جن میں اظہار عقیدہ بے فائدہ اور باعث فرار و محذور و ایذا کا ایک ہی صنف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حکم عقل ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اس سے سرپیچی نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو تفتہ نہ کہتا ہو۔

تفتہ کے موارد جو ب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ہم پیشگی عرض کر دیں کہ عنقریب ہم ایسے موارد بھی بیان کریں گے جن میں نہ صرف تفتہ حرام ہے بلکہ ان میں جان و مال کی قربانی واجب ہے اور ان مواقع پر تفتہ کی مخالفت نہ فقط پسندیدہ ہے بلکہ موجب فضیلت ہے۔ اگر زمانہ سے باخبر کوئی مجتہد یا فقیہ حالات کے پیش نظر احکام الہی کے تعاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی خاص زمانہ میں تفتہ کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کر دے کہ اب ملاقات کی گنجائش نہیں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں جان و مال کے ذریعہ جہاد واجب ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ تفتہ ہمیشہ حرام ہے۔

## موارد حرمت تفتہ

بحث کے آغاز میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ بلند پایہ محققین اور عظیم فقہانے تفتہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بطور اجمال ہم نے ان مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں تفتہ واجب، مستحب اور جائز ہوتا ہے۔ اب ذیل میں ان مواقع کا ذکر ہے جن میں تفتہ حرام ہے۔

### ۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ

### ہو تو تفتہ جائز نہیں ہے

اگر تفتہ کی وجہ سے دین میں فساد اور ارکان اسلام میں تزلزل پیدا ہو جائے الہی عہد ہو رہے ہوں اور گرفت کو طاقت مل رہی ہو یا کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو کہ شارع کی نظر میں جس کی حفاظت جان و مال سے زیادہ ضروری ہو تو ایسے ہر موقع پر بلاشبہ تفتہ حرام ہے



اور اس کا ترک کر دینا واجب ہے لیکن ان سواروں کی تشخیص عام آدمی کے بس کا لوگ نہیں بلکہ فقہاء و مجتہدین کا کام ہے۔ اس لئے کہ ان سواروں کو درک کرنے کے لئے ادلا شرعیہ پر تسلط و عمدہ ذوق شریعت اور صالح فکر کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ..... قاعدہ اہم و ہم کے علاوہ چند روایات بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جن کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ کافی میں کلینی نے مسند ابن صدوق کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے کہ اگر مومن اظہار ایمان کے بعد کوئی ایسا عمل انجام دے جس سے ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ مومنوں کی صف سے خارج ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ادعا کرے کہ اس نے جو عمل انجام دیا ہے وہ تفتہ کی بنا پر تھا تو دیکھنا یہ جو کلام آیا اس مورد میں تفتہ جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تھا تو اس کا عذر ناقابل قبول ہے۔ اس لئے کہ تفتہ کے حدود متین ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا معاف نہیں ہے۔ ”ما یتقی“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی قوم میں پھنسا ہوا ہو جو ظالم بھی ہوں اور اس پر غلبہ بھی رکھتے ہوں۔ اس صورت میں مومن کا ہر وہ عمل جو تفتہ کی بنا پر ہو اور دین میں فساد کا باعث نہ بنے مجاز شمار ہوگا۔

۱۔ ج ۶۔ باب ۲۵۔ ابواب امر بالمعروف۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تفتہ کی وجہ سے دین میں فساد کا اندیشہ ہو تو تفتہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ اس روایت کو کشتی نے اپنی ”رجال“ میں درست ابن ابی منصور سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں امام کاظم کی خدمت میں حاضر تھا اور ”کیست ابن زید“ بھی وہاں موجود تھا۔ ..... امام نے ”کیست“ پر اعتراض کرتے ہوئے بعنوان سسر زرش فرمایا، کیا یہ شعر تبارا ہی ہے۔ ؟ ”اب میں بنی امیہ کے ساتھ ہوں اور ان کے امور کی برگشت میری جانب

ہے۔ ! حکمت ہونے عرض کی ”ہاں“ میں نے ہی کہا ہے۔ لیکن میں اپنے ایمان سے منحرف نہیں ہوا ہوں۔ میں آپ کا ظلم ہوں اور آپ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہوں۔ البتہ میں نے یہ شعر تفتہ کہتے ہوئے کہا ہے۔ ..... تب امام نے فرمایا اگر ایسے ہی تفتہ ہونے لگے تو پھر شراب میں بھی تفتہ جائز ہو جائے۔ ..... اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ہر مورد میں تفتہ جائز نہیں جانتے۔ اسی لئے آپ نے کیست پر اس کے اس شعر کی بنا پر اعتراض کیا جس سے بنی امیہ کی مدح ہوتی تھی۔ اور جو اس بات کی علامت بن گیا کہ کیست ایک مشہور و معروف محب اہل بیت کہلانے کے بعد بنی امیہ کے طرف دار ہو گئے۔ ..... چنانچہ کیست ”جیسا آدمی جب خدر پیش کرتا ہے کہ اس کا یہ شعر عرب زبانی اور ظاہر پر مبنی تھا تو امام اس کے خدر کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر تفتہ کا میدان اس قدر وسیع ہوتا تو ہر چیز میں حتیٰ شراب پینے میں بھی تفتہ جائز ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ .....“

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کیست پر اعتراض اور سسر زرش اس امر کی دلیل ہے کہ بنی امیہ جیسے ظالموں کی تعریف یا ان سے اظہار محبت جیسے امور میں تفتہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے افراد کسی بھی کفر کی بنیادوں کو مضبوط، اور اگر ایسی اور جہالت کی تائید و طرفداری کا موجب بنتے ہیں جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا ایسے مواقع پر تفتہ ناجائز ہے۔ ..... جب اس ایک بیت کی حد تک تفتہ جائز نہ ہوا تو ظاہر ہے پھر اس قسم کی ایسی باتیں کرنے میں جن سے کفر و ضلال کو قوت پہنچتی ہو اور ہدایت مخفی ہو جاتی ہو حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو کر بہت سے لوگوں سے مخفی ہو جاتا ہو۔ تفتہ کب جائز ہوگا۔ خاص

طور سے ان لوگوں کے لئے جن کے اقوال بطور سند پیش کئے جاتے ہوں اور جن کا فعل منسوخ  
عمل ہو ایسے موارد میں تہیۃ حرام ہے۔ البتہ ان موارد کی تشخیص جیسا کہ عرض ہو چکا ہے صرف  
فقہ کے بس کی بات ہے ہر آدمی کا کام نہیں۔

طبری نے احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی زبانی امام رضا کی ایک حدیث  
قتل کی ہے جس میں اگرچہ واضح طور پر ترک تہیۃ کا باعث فساد دین کو قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن  
در اصل باعث وہی ہے۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی امر نہیں تھا جس کی وجہ سے ترک  
تہیۃ ضروری ہوتا۔..... البتہ احتمال ہے کہ وہ لوگ بغیر کسی خطرے کے تہیۃ کرتے ہوں اور  
جہاں خطرہ ہو وہاں نہ کرتے ہوں تو امام نے من کو اس سے روکا ہو۔

ابو حمزہ ثمالی ناقل ہیں کہ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا "خدا کی قسم اگر تم نہیں  
ہم نصرت کے لئے آؤ اور میں تو تم صاف انکار کر دوں گا اور بہانہ بناؤں گا کہ تم تہیۃ میں ہیں....  
ایا تہیۃ تمہیں ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔..... اسی حالت میں اگر قائم کا ظہور ہو گیا  
تو تم سے معلوم کئے بغیر تم میں سے بہت سوں پر حد فاق جاری کریں گے۔"

یہ روایت واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ اگر دین خطرے میں ہو اور امام نصرت کے لئے  
پکاریں تو ترک تہیۃ لازم ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اس موقع پر تہیۃ کرے گا قائم اکل عمدہ اس پر حد  
جاری کریں گے جب کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مواقع پر تہیۃ سخت حرام ہے۔

بہر حال تہیۃ دین کے لئے ہے۔ چنانچہ اگر دین خطرے میں ہو اور اس کے درکار اور

احکام جن کی بعد از رد و رجوع کے لئے پہلے ہجرت کرنے والوں اور ان کا اتباع کرنے والوں نے اپنی  
جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں اور اپنا خون دے کر اس کو بچایا ہے۔ مرنے جانے کا اندیشہ  
ہو تو کسی قیمت پر بھی تہیۃ جائز نہیں ہے۔

## ۲- قتل میں تہیۃ جائز نہیں ہے۔

اگر تہیۃ کی بنا پر کسی کو قتل کرنا پڑے مثال کے طور پر کوئی کافر یا فاسق کسی مومن کو  
قتل کر دینے کا حکم دے اور شخص مامور جاننا ہو کہ اگر میں مومن کو قتل نہیں کروں گا تو خود قتل  
ہو جاؤں گا ایسے موقع پر تہیۃ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مومن کا خون محترم ہے۔ لہذا اپنی  
جان کی حفاظت کی خاطر دوسرے مومن کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ مومنوں کے نفوس  
مساوی ہیں۔ تہیۃ خوریزی اور جان کنوانے سے بچنے کے لئے ہے لیکن اگر نوبت خوریزی  
- کہ پہنچ جائے تو تہیۃ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور ایسی صورت میں تہیۃ کا حکم حکمت حکیم کے  
منافی ہے۔..... چنانچہ اس بارے میں کئی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

۱- ان روایات میں سے ایک روایت کو محمد ابن یعقوب کلینی نے کافی میں  
محمد ابن مسلم کے حوالہ سے امام محمد باقر سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تہیۃ جان کی حفاظت  
کے لئے رکھا گیا ہے۔ لیکن جب اس سے کسی کی جان جانی ہو تو مہر گز جائز نہیں ہے۔



۲۔ دوسری روایت کو شیخ "تہذیب" میں ابو حمزہ ثمالی کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زمین خدا پر ہمیشہ اور ہر دور میں ایسا عالم موجود رہتا ہے جو حق و باطل میں تمیز کر سکے۔... تقیۃ حفظ نفوس کے لئے ہے۔ اگر نفوس ہی اس کے ذریعہ خطرے میں پڑ جائیں تو تقیۃ بے معنی ہو جائے گا۔

### ۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے

### محرمات میں تقیۃ حرام ہے

روایات میں وارد ہے کہ بغضِ امام اور جیسے شراب خوردی یا بنید خوردی، موزوں پر مسج، متعرج وغیرہ میں تقیۃ حرام ہے۔ چنانچہ ہم پہلے روایات کو ذکر کر دیں تب اس کا سبب بیان کریں گے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ سے ابنِ اعمیٰ نے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا: "بنید اور موزوں پر مسج کے علاوہ ہر چیز میں تقیۃ جائز ہے۔"

صغیرۃ لہذا کہ تقیۃ حرامہ ۱۔ لیحقن بھا الدم فاما یبلغ الدم فلیس التقیۃ۔ ج ۱۔ باب ۳۱۔ ابواب امر بالمعروف۔

۱۔ عن الحسینۃ ثمالیۃ قال لہو عبد اللہ ۱۵۱ لم یبق لارضی الا دنیا عالم یعرف الحق من الباطل و قال انما جعلت التقیۃ لیحقن بھا الدم فاما یبلغ الدم فلیس التقیۃ۔ ج ۲۔ باب ۳۱ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ عن الحسینۃ ۱۵۱ لہو عبد اللہ ۱۵۱ لم یبق لارضی الا دنیا عالم یعرف الحق من الباطل و قال انما جعلت التقیۃ لیحقن بھا الدم فاما یبلغ الدم فلیس التقیۃ۔ ج ۲۔ باب ۳۱ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ کافی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا کیا موزوں پر مسج کرنے میں تقیۃ ہے؟ آپ نے فرمایا: "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی میں بھی تقیۃ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کا استعمال، موزوں پر مسج اور متعرج مسج۔" زرارہ کہتے ہیں۔ امام نے انہیں فرمایا تم پر واجب ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی تقیۃ نہ کرو۔

ان امور میں تقیۃ حرام ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان میں تقیۃ بے جا ہے۔ اس لئے کہ تقیۃ خوف و خطر کے مواقع میں نفوس کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے اور اس میں کوئی دورائے نہیں کہ جان کا خطرہ ایسے امور کے اظہار کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے جن کو وضاحت کے ساتھ قرآن میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اگر قرآن یا سنت میں تصریح موجود ہو تو چاہے وہ عمل کسی بھی قوم کی سیرت کے منافی ہو تب بھی اس میں تقیۃ نہیں ہے۔..... بلکہ وہ شراب خوری اور بنید جیسے امور کی حرمت و مباحث کے ساتھ قرآن میں موجود ہے۔..... ایسے ہی متعرج کے لئے بھی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ فمن تمتع بالعبقرۃ

الحجج فیما انتیسر من الہدی..... ذالک لمن یدکن اہلہ حاتم المسجد الحرام۔ یہ آیت وجوبِ یاکم سے کم جوازِ تقید کے لئے بہترین دلیل ہے۔ اور سنت نبویؐ میں بھی اس کا حکم موجود ہے جس کو فقہین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے بلکہ جناب "عمر" نے خاص طور سے اعلان کیا ہے۔ "و متع پیغمبر کے زمانہ میں حلال تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں۔" یہ اعلان متعرج کے جائز قرار دینے جانے کی بہترین دلیل ہے۔ چنانچہ ترکِ تقیۃ کے لئے اتنا کافی ہے کہ انسان کے پاس قرآن یا سنت سے

بہترین دلیل موجود ہو۔

اسی طرح موزوں پر مسح ذکر کے صرف پاؤں پر مسح کرنے پر انکار کرنے کے باب میں بھی قرآن میں صراحت موجود ہے۔ ”وَأَسْبِغْ يَدَيْكُمْ وَإِذَا جَلَسْتُمْ عَلَى الْأَرْضِ فَلْيَسْبِغُوا أَيْدِيَكُمْ“ اور روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاؤں یا سر پر مسح اسی وقت کہلانے کا جب ٹوٹی یا موزوں پر مسح ذکر کے خود پاؤں یا سر پر مسح کیا جائے۔ اور ہر شخص اسلامی دنیا میں ایسا کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس مورد میں بھی خوف کی بنا پر تفتیہ کرنے پر مجبور ہو تو یہ تفتیہ حکمی کہلانے گا۔

لیکن اگر جہالت اور تعصب معاشرہ ہی پر غالب ہو اور ان امور کے اظہار میں جان کا خطرہ ہو تو انسان تفتیہ کرتے ہوئے ان امور کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اسلامی احکام دوسرے ان امور کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔ جب اظہار رکھنے میں تفتیہ ہو سکتا ہے تو پھر شراب غم یا موزوں پر مسح جیسے فرعی امور میں بدرجہ اولیٰ بے اشکال ہے۔ ..... اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ روایات بھی اس کی مخالف نہیں بلکہ روایات کی نظر اس نکتہ پہ ہے کہ اس قسم کے امور میں جن کو قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہو اور سنت قطع بھی اس کی تائید کر رہی ہو تفتیہ کی حاجت پیش نہیں آتی۔ لیکن اگر کسی بعض حالات میں جان و مال خطرے میں ہوں چاہے تعصب کی بنا پر یا جہالت کے سبب سے تو اس وقت ان امور میں بھی تفتیہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر اگر حاکم ظالم کے نزدیک موزوں پر مسح لازمی ہو یا وہ متعجب کو حرام سمجھتا ہو اور اس کا اعتقاد نہ رکھنے والے کو قتل کر دیتا ہو تو کیا ایسی

حالات میں بھی تفتیہ ترک کر دیا جائے اور موت کو گلے لگایا جائے؟ ہرگز ایسا نہیں کیا جاسکتا اور میرے خیال میں کسی کا یہ نظر بھی نہیں ہے۔ اسی طرح قتل کے علاوہ وہ تعصبات جو شارع کی نظر میں ان امور سے زیادہ اہم ہیں تفتیہ کو حجت کران کا متحمل ہونا ہرگز واجب نہیں ہے۔ اس بیان سے روشن ہو جاتا ہے کہ زرارہ نے جو استدلال کر کے مذکورہ موارد میں عدم تفتیہ کو امام سے مخصوص کرنے کی سعی کی ہے وہ بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث سے ان امور کا حکم واضح ہو جانے کے بعد حکم عام ہو جاتا ہے اور انسان ان میں تفتیہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔ لہذا اگرچہ ”زرارہ“ کا شمار فقہاء اہل بیت میں ہوتا ہے۔ لیکن ”گرتے میں شہسوار“ میدان جنگ میں ”اور عصمت اہل عصمت علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ اس بنا پر ہم عرض کر سکتے ہیں کہ ”زرارہ“ کا استنباط بے عمل ہے۔

ہمارے اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جس کو صدوقؑ نے ”المصالح“ میں حضرت علیؑ علیہ السلام سے بیان کیا ہے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ ”شراب خوری اور موزوں پر مسح کرنا میں تفتیہ نہیں ہے۔“ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی تفتیہ جائز نہیں ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے ابی حمزہ الثمالی کے ذریعہ نقل ہو چکی ہے۔ جس میں آپؑ نے فرمایا ”ہر چیز میں تفتیہ ہے مگر (نبید) اور موزوں پر مسح کرنے میں تفتیہ نہیں ہے۔“ یعنی تفتیہ کی بنا پر نبید استعمال کر سکتے ہیں اور موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔ البتہ ان امور میں تفتیہ کے جواز پر ہماری بات کی اس روایت سے تائید ہوتی ہے جس کو



شیخ نے اپنی تہذیب میں ابی اللود کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ابو ظبیان نے مجھ سے کہا کہ میں (ابو ظبیان) نے علی کو دیکھا کہ انھوں نے پانی بہا دیا اور موز پر مسح کیا تو امام محمد باقر نے فرمایا کہ ابو ظبیان نے صحبت لایا۔ کیا تم نے علی کا یہ قول نہیں سنا کہ قرآن میں تمہارے لئے شخصین کے بارے میں حکم بیان ہو چکا ہے۔ میں نے عرض کی کیا اس میں رخصت ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ دشمن سے تھیک کی بنا پر یا پاؤں کو برف سے بچانے کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اس حدیث میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن کی سورہ المائدہ میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم مراحت کے ساتھ بیان ہو جانے کے بعد موزوں پر مسح کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

## ۴۔ ضرورت کے بغیر تقیۃ جائز نہیں ہے۔

معصومین علیہم السلام کی اکثر روایات میں مراحت کے ساتھ موجود ہے کہ بغیر ضرورت تھیجہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی غرورت خوف ہے۔ اور ضرورت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خوف ختم ہو چکا ہے۔ اور تھیجہ خوف کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ لہذا جب خوف نہ ہو تو تھیجہ کا موضوع ہی باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اول بحث میں ہم عرض کر چکے ہیں... چنانچہ

اس سلسلہ کی روایات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ کلینی نے "زرارہ" سے اور انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے: "آپ نے فرمایا: تھیجہ غرورت کے وقت ہوتا ہے جس کا علم صاحب غرورت کو ہو جاتا ہے۔"

۲۔ اصول کافی میں ہی امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا: کسی چیز میں انسان کی مجبوری کے وقت تھیجہ کو خدا نے اس کے لئے حلال قرار دیا ہے۔

۳۔ محاسن میں امام پنجم سے مروی ہے کہ بہ ضرورت میں تھیجہ ہے۔

## تذکرہ

یہ تینوں روایتیں مختلف اور متعدد طریقوں سے نقل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت اور غرورت کے وقت تھیجہ کے جواز کے سلسلہ میں ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ اور فطرت بشری کے تقاضوں کی موجودگی میں جواز تھیجہ پر استدلال کے لئے ہمیں ان کی زیادہ ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی بعض مشکلات ایسی پیش آتی ہیں جن میں تھیجہ کے جواز پر دلالت کے لئے ان روایات کی اشد ضرورت ہے۔

# اختیار کفر

## اور ایمان سے برائت میں تفتہ کا حکم

اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو دل میں ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے زبانی طور پر ایمان سے اظہار بیزاری اور کلمہ کفر بکھجے پر نص اور فتویٰ دونوں متفق ہیں۔۔۔۔۔ لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا ایسے موقع پر تفتہ سے دست بردار ہو کر بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لینا بہتر ہے یا تفتہ کر کے خطرے کو ٹال دینا زیادہ بہتر ہے پہلی نظر میں روایات اور فتوے دونوں اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ لیکن آگے چل کے جب ہم اس بحث میں غور و خوض سے کام لیں گے اس وقت یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ان میں اختلاف نہیں بلکہ زمانہ شام اور ظرف تفتہ کے اعتبار سے فرق ہے۔

ہماری بحث کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہم اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے

اس کی دلیلیں ذکر کریں گے اور اس کے بعد عرض کریں گے کہ ان میں سے کون بہتر ہے اور کون نہیں۔ اور یہ بھی دیکھیں گے کہ علامہ اہلسنت کا نظریہ کیا ہے کہ جنہوں نے جان و دل سے یمن کی حاشا اور نصرت کا فرائض انجام دیے۔ اور ہر لمحہ دامن اطاعت سے متمسک رہے ہیں اور کبھی بھی کلمہ کفر کو زبان تک نہیں لائے۔

بہر حال کثیر تعداد میں احادیث اظہار کلمہ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند حدیثیں بطور نمونہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ تفتہ کے جواز پر دلالت کرنے والی آیات کے ذیل میں ایک روایت مذکور ہے جو پروردگار کے اس قول ”الامن اکبر و قلبہ مطمئن بالايمان“ کی تفسیر کرتی ہے۔ یہ بات حضرت عمار کے بارے میں ہے جس کو فریقین نے قتل کیا ہے۔ قصہ یوں ہے کہ حضرت عمار کو جب مجبور کیا گیا تو وہ کلمہ کفر کا اظہار کر بیٹھے لیکن ان کے والدین نے شہادت کو گھٹے لگایا۔ عمار سرکارِ رسالت کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ اسی درمیان کچھ اصحاب نے کہا غدار کافر ہو گئے۔ لیکن رحمتِ دو عالم نے آگے بڑھ کر عمار کے انسوپوچھے اور فرمایا اگر غدار مجبور کریں تو مجبور ہی کرنا جو کہ چکے ہو اس لئے کایت نازل ہو چکی ہے۔ ”کہ جس کو مجبور کیا جائے اظہار کفر پر حلاکت اس کا دل ایمان سے بے ریز ہو“۔ یہ روایت بالعارضت تفتہ اور اظہار کلمہ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ اس روایت کو بھی فریقین نے نقل کیا ہے اور آیات کے ذیل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ عیالہ کذاب نے پیغمبر کے دو صحابیوں کو بے گناہی نبوت کی شہادت دینے پر مجبور کیا ایک نے شہادت دے دی مگر دوسرے نے انکار کر دیا اور شہید ہو گیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے نے خدا کی دی ہوئی چھوت سے استغناء کیا لیکن دوسرے نے حق کا اظہار یہاں تک کیا



اور شہادت اس کو مبارک ہو اگرچہ اس روایت میں بنی مکرم سے اظہار بیزاری کا ذکر نہیں ہو سکتا  
مسلم کی رسالت کی گواہی کلمہ تکفیر ہے جب یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے۔

۳۔ ان دونوں روایتوں کے ہم معنی ایک روایت کو اصول کافی میں کلینی نے عبد اللہ  
ابن عطاء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر کی خدمت میں عرض کیا کہ  
کوفر کے دشمن خاص پچھلے گناہوں سے کہا گیا کہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ان میں  
سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ پہلے کو حق پر دیا گیا اور جس نے  
انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا..... تو امیر المومنینؑ نے فرمایا: جس نے بیزاری کا اظہار  
کر دیا وہ فقیہ ہے لیکن جس نے انکار کر دیا اس نے جنت حاصل کرنے میں جلدی کی۔  
اس روایت کی دلالت کے بارے میں ہم عرض کریں گے کہ اس کا رجحان فعل تقیہ کی  
جانب ہے۔ یا ترک تقیہ کی طرف۔

۴۔ کلینی مستندۃ ابن صدوق سے نقل میں۔ ابن صدوق نے بیان کیا کہ میں نے امام  
جعفر صادقؑ سے عرض کی لوگ کہتے ہیں امیر المومنین علیؑ نے منبر کو فرسے اپنے خطاب میں  
اطمان فرمایا اے لوگو! عنقریب تم کو مجھ پر سب و شتم کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو اس وقت تم  
مجھ پر سب و شتم کر سکتے ہو۔ پھر ہمیں مجھ سے اظہار برائت کے لئے کیا جائے گا۔ مگر مجھ سے  
اظہار برائت نہ کرنا۔..... اس پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”لوگ علیؑ کے بارے  
میں کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔“ حلاکتاً آنحضرتؐ نے یوں فرمایا تھا۔ ”کہ تمہیں مجھ پر سب  
و شتم کرنے کے لئے کہا جائے گا تو کر دینا۔ پھر اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا تو یاد رکھو میں بن

محمدؐ پر ہوں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو ان  
نے عرض کی ”کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں اظہار برائت کے بجائے قتل ہو جانا اختیار کروں۔؟“  
تو آپ نے فرمایا: ”حضرت کی مراد یہ نہیں۔“ اس سے مراد وہی طریقہ ہے جو عمار ابن یاسر نے اس  
وقت اختیار کیا جب کفار مکہ نے ان کو مجبور کیا۔ جب کان کادل ایمان سے مطمئن تھا جس  
پر پردہ گارنے یہ آیت نازل فرمائی ”مگر وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان  
سے مملو ہو۔“ تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: اے عمار! اگر وہ لوگ دوبارہ مجبور کریں تو تم پھر وہی کرو۔  
خدا نے تمہارے حذر سے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔

اگرچہ اس روایت سے بھی تقیہ کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے پتہ  
چلتا ہے کہ روایت میں صرف حرمت تقیہ کی نفی مقصود ہے۔ خاص طور سے علیؑ اور اولاد  
”آئمہ“ علیہم السلام سے اظہار برائت کے سلسلہ میں کہ صرف جن کی تنگ حرمت بلکہ  
ان کو گالی دینا بھی لگ جائز سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت کا یہ فرمانا کہ ”واللہ ما ذلک البعد“ یعنی امیر المومنینؑ  
کی مراد یہ نہیں۔ اور اس کے بعد قصہ حضرت عمار بیان کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ روایت  
وجوب تقیہ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حرمت تقیہ کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمار کے والد  
کا فعل بھی جائز تھا۔ جیسا کہ ان کی داستان سے ظاہر ہے۔

۵۔ محمد بن سعید غیاثی اپنی تفسیر میں ابو جعفر حنفی کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ  
سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا ”آپ کو دونوں میں سے کون

سی چہ پسند ہے۔ مگر خلیفہ کنا دینا یا علی علیہ السلام سے اظہار برائت کرنا۔؟ آپ نے فرمایا مجھ کو خود پسند ہے۔ کیا تم نے عقائد کے بارے میں پروردگار عالم کا قول نہیں سنا۔ ”الآمن اکفرہ وقلبہ مطمئن بالایمان“

عقوبت ہم غرض کریں گے کہ رجحان رخصت پر ہی روایت کی دلائل دوسری روایت سے منکراتی ہے۔ اور اس منکرات کے سمجھوتہ کا طریقہ بھی بتائیں گے۔

۴۔ عبداللہ ابن عثمان کے حوالے سے عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ناقص نہیں کہ عبداللہ نے امام کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے صلیب کا ظہر جو چمکا ہے اور ایسا عیسائیوں پر ہوتا ہے کہ ہمیں اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا۔ فرمایا تم نے کیا کریں۔؟ آپ نے فرمایا تم اس سے برائت کرو۔ میں نے عرض کی۔ ”دونوں میں سے آپ کو کیا پسند ہے۔؟“ آپ نے فرمایا ”مجھے یہ پسند ہے کہ تم عمار ابن یاسر کا طریقہ اختیار کرو۔ جبکہ مکہ میں پکڑے گئے اودانہ سے کہا گیا کہ رسول اللہ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ تو انہوں نے کر دیا۔ تو خداوند عالم نے آیت کے ذریعہ ان کے خد کو بیان کیا۔ ”الآمن اکفرہ وقلبہ مطمئن بالایمان“۔

پہلی نظر میں اس روایت سے بھی وجوب ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن جو روایتیں برائت کا اظہار سے منوعیت پر دلالت کرتی ہیں ان کی وجہ سے وجوب خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ جب کہ یہاں بھی قصہ عمار اودانہ کے والدین کی شہادت کو شاہد بنانا اس امر پر دلالت کرتا

ہے کہ یہ روایت صرف قتیقہ کی اجابت دیتی ہے۔ اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔

۷۔ طبری نے ”احتجاج“ میں امیر المومنین کی کسی حریمانی کے سے بحث نقل کی ہے۔

آپ نے فرمایا: میں تم کو دین خدا میں قتیقہ کے استعمال کا حکم دیتا ہوں۔ چون کہ پروردگار عالم فرماتا ہے۔

”مؤمن مومنوں کو بھیہ و زکر کا فزون کو اپنا سر پرست نہ بنائیں اور جو بھی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی رشتہ نہیں۔ مگر یہ کہ تمہیں سے کسی خوف کی بنا پر قتیقہ کر دو۔“ اگر خوف لاحق ہو تو تمہیں اپنے دشمنوں

کی بڑائی اور فضیلت کے بیان، فز کے موقع پر اظہار برائت اور جان پر مصیبتوں اور آفتوں کے خطرے

کے وقت ترک حلاۃ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تمہارا ہمارے دشمنوں کی بڑائی بیان کرنا نہ ان کے

کے لئے منفعت بخش ہے اور نہ ہمارے لئے مضرب۔ تم اگر قتیقہ کے طور پر یہم ہے اظہار برائت کرو

گے تو اس ہماری تدرج ہوگی اور نہ ترسہم ہوگا مگر تمہارا اول ہمارے ساتھ ہے اور اس میں ہماری

محبت ہے تو زبان سے مخموزی دیر یہم سے اظہار برائت کرنا تمہاری اس روح کی بقا ہے جس

سے تمہارا نفس قائم ہے۔ اس مال کی حفاظت ہے جو تمہارا سہارا ہے اور اس عزت و مرتبہ

کا خاص ہے جس کے ساتھ تم متک ہو۔ اس کے زلیہ تم اس شخص سے بچے رہو گے جو

ہمارے دوستوں اور محبتوں کو پہچانتا ہے۔ لہذا بے شک قتیقہ تمہارے لئے اپنے کو ہلاک کرنے

سے افضل ہے۔ اور اس عمل منقطع کرنے سے بہتر ہے۔ اور اسی میں تمہارے مؤمن بھائیوں

کی بہتری ہے۔..... خبردار یاد رکھو میں نے جس چیز کا تمہیں حکم دیا ہے اسے

ہرگز ترک نہ کرنا اس لئے کہ اگر تم سے ترک کرو گے تو اپنا اور اپنے بھائیوں کا خون ضائع کرو گے

اپنی اور ان کی نعمتوں کو برباد کرو گے، دشمنان دین خدا کے ہاتھوں ان کو ذلیل کرو گے۔ جب کہ خدا

نے تم کو ان کا احترام و کرامت کرنے کا حکم دیا ہے۔..... یاد رکھو اگر تم نے

میری ہدایت کی مخالفت کی تو خود تمہارے لئے اور تمہارے مؤمن بھائیوں کے لئے تمہارا



تہلہ فرمیں سب دشمن کہنے والے "نابھی" اور ہمارا انکار کرنے والے "کافر" ہے  
زیادہ ہوگا۔

شاید جس وقت حضرت زیدؓ حدیث اشد فرمائی اس وقت تک شام کے طلوع نہ ہوا  
اور دشمنوں کے قبضے میں ہی تھے۔ اس لئے کہ انتہائی حالت میں نہ جھجھو کر تھیہ مسلمانوں کے  
درمیان نہیں بلکہ کفار کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔ ..... پھر امام کا فرمنا  
کہ خود کو حالات میں مبتلا کرنے سے تھیہ کرنا افضل ہے۔ اگر چہ بادی النظر میں اس سے تھیہ کی  
افضلیت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حدیث کے آخر میں آپ کا خبر دار کرنا اور زیدؓ کا تھیہ ترک کر  
کے تم اپنے بھائیوں کو جو نقصان پہنچاؤ گے وہ کفار اور منافقین کی فر رسانی سے بدتر ہوگا اس  
مقام پر وجوب تھیہ کی روشن دلیل ہے۔ یہاں پر اس تم تفصیل کا صیغہ تعین کے لئے ہے جیسا  
کہ آیت "ادع الراحم بعضهم اوبعض فکنت اب اللہ" اور روایت  
یوم شک "احب من ان يضرب عنق" میں وارد ہوا ہے۔

لہذا اے کھڑکھڑ اور اظہار برائت جیسے مورد میں تھیہ کے وجوب پر اس روایت  
کی دلالت مسلم ہے۔ لیکن اس روایت کا "مرسل" ہونا غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ اس لئے کہ طبرستانی  
نے سند کا ذکر کرتے بغیر اسے میرالمؤمنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ وہ گیارہویں نام عسکری میں  
اس کا ردی ہونا تو وہ اسے حجت نہیں بتاتا۔

بہتر روایات ہے کہ دلالت کے ساتھ اس کی سند بھی کامل ہوتی جب بھی اس پر

عمل مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ متواتر روایتیں اس مورد میں حکم تھیہ کے حوالہ پر دلالت کرتی  
ہیں۔ لہذا بہتر ہے کہ اسے ہم اتنے ذکر کرنے والی تفصیل پر حمل کریں بعض اوقات کے لئے  
مخصوص قرار دیں۔

## روایات تفصیل

وہ روایات پیش خدمت میں کہ جن میں تفصیل وارد ہوئی ہے کہ سب دشمن میں تھیہ جائز  
ہے۔ لیکن اظہار برائت میں جائز نہیں ہے۔

۱۔ امام جعفر صادقؓ کی اس روایت کو کہ جس کو "انہوں نے اپنے اجداد کے حوالہ سے  
نقل کیا ہے۔" شیخ نے اپنی "مجالس" کی زینت بنایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میرالمؤمنینؓ نے فرمایا:  
"عنقریب تم کو مجھے برا کہنے کے لئے کہا جائے گا (اعیان بائتہ) تو تم مجھے برا کہہ دینا اور تمہیں مجھ  
سے اظہار برائت کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو تم اپنی گردن پیش کر دینا اس لئے کہ میں فطرتِ اسلام  
پر ہوں۔"

(اس روایت میں مذکور تفصیل سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "سب" میں  
تھیہ جائز ہے جب کہ برائت میں جائز نہیں۔)

۲۔ شیخ نے عمل خراسانی کے برادر ابن علیؓ کے حوالہ سے امام رضاؓ کی ایک حدیث جس کو حضرت  
نے اپنے اجداد کے ذریعہ میرالمؤمنینؓ سے بیان کی ہے ملنے فرمایا: "عنقریب تم سے مجھے  
برا کہا کہنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر جان کا خطرہ محسوس کرو تو کہہ دینا۔ لیکن اگر مجھ سے برائت

کرنے کے لئے کہا جائے تو ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں فطرتِ اسلام پر ہوں۔“  
یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کی مانند تفصیل پر دلالت کرنے کے علاوہ برائت کی حرمت میں ظہور کرتی ہے۔

۳۔ سید رضی (قدس سرہ) نے بیحیالہ وغیرہ میں ایہ المؤمنین سے روایت نقل کی ہے۔  
حضرت نے فرمایا: لوگو! باخبر رہو! میرے بعد ایک ایسا شخص تم پر مسلط ہوگا جو جزی تو دے اور کٹہہ  
حلق دلا ہوگا..... جو کچھ پائے گا بچت کر جائے گا اور پھر نزدیک کا مطالبہ کرے گا  
بس تم اسے قتل کر دینا۔ حالانکہ تم ہرگز اسے قتل نہیں کر دو گے۔ مگر وہ تم سے مجھے برا کہنے اور مجھے  
برائت کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ تم مجھے برا کہنا اس لئے کہ وہ میرے لئے زکات ہے اور تمہارے  
لئے نجات لیکن مجھ سے برائت ذکرنا اس لئے کہ میں مسلمان پیدا ہوا ہوں اور ایمان لانے اور ہجرت  
کرنے میں دوسروں پر میں نے سبقت کی ہے۔“

اگرچہ یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے مسندۃ ابنِ صدقہ کی روایت سے  
مکراتی ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ روایت دشمنی اور اندھیروں میں غرق و درجہ کے اس  
دور سے متعلق ہے جس میں کلمۂ حق کا اظہار اور اس کے لئے اپنی جانوں کا فدیہ پیش کرنا آثارِ نبوت  
کی حفاظت کے لئے کم سے کم واجب کفائی تھا۔ اس لئے کہ تمام دشمن مل کر آثارِ نبویؐ بلکہ انہد  
بنیِ منانہ پر حسبِ تعدد و کثرت ہو گئے تھے۔ اسی لئے دونوں کو اکثر درجہ والے ”سب“  
جیسے منکرات میں تفتیح کی اجازت دی گئی اور برائت جیسے شدید منکرات میں تفتیح سے روک

دیا گیا۔

خدا نخواستہ اگر میں بھی ایہ المؤمنین کے دور جیسے وقت سے گزرنا چاہے جس میں  
آپ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے آثارِ شارینا چاہے تھے تو اس وقت دشمنوں کی  
گزینہ ادا دینا اور کلمۂ حق کے اثبات اور باطل کے محو کر دینے کے لئے اپنی جانیں قربان  
کر دینا واجب ہو جائے گا۔

## دوسری بحث:

اس بحث میں یہ طے کرنا ہے کہ تفتیح کے اختیار اور ترک میں سے ترجیح کس کو  
دی جائے۔ گذشتہ روایت ”حسن“ جو ان دو اشخاص کے بارے میں تھی جن کو مسندۃ  
نے گرفتار کر کے اظہارِ برائت پر مجبور کیا تھا۔ اسے پتہ چلتا ہے کہ ترک تفتیح بہتر ہے۔ اس لئے  
کہ تاک تفتیح نے حق کا اعلان کیا جس کو اس کے لئے مبارک قرار دیا گیا۔ جب کہ دوسرے  
نے صرف رخصت ہی سے استفادہ کیا اور بس..... اسی طرح وہ میں روایت  
جو نفعت ظاہر کرنے سے منع کرتی ہیں اور راہِ یمن میں جان کی قربانی اور موت کو گلے لگانے کی  
ترغیب دیتی ہیں وہ ترک تفتیح کو بہتر قرار دیتی ہیں لیکن اس وقت جب بات سببِ شتم سے  
اگے بڑھ جائے اور برائت کی نوبت آجائے۔ ظاہر ہے کہ کفر بھی برائت ہی کے حکم میں ہے۔  
ان روایات کے علاوہ ترک تفتیح کے بہتر ہونے پر جانِ ثارلنِ البیہت اور چھیاؤں  
اصحابِ علیؑ کا لیلِ جوشام کی ایک چراگاہ ”مرحہ خدرا“ میں مذکور ہے کہ حکم سے شہید کر دیئے



گئے۔ ہمارے لئے بہترین سند ہے۔

حجر بن عدی اور مرج عذرا میں شہید ہونے والے وہ چھ یاد رس اہلبیت کے جہاد  
جیسے مشہور تھار، رشید الحمزی، عبداللہ بن عقیف لادری، عبداللہ بن یقطر اور سید ابن جبیر کے  
علاوہ وہ اسلام کے فدائی جو مظلوم کربلا کے ساتھ شہید ہو گئے ان سب نے برات پر شہادت  
کو ترجیح دے کر ہمارے لئے ایسے مواقع پر حرکتِ تقیہ کی بہترین مثال قائم کی ہے۔  
..... یہ وہ زندہ جاوید ہستیاں ہیں جن میں اکثر کی داستانِ شہادت کو موافق و مخالف  
دونوں نے اپنے نوشتوں کی زینت بنایا ہے۔

چنانچہ «ذبی» حجر کے بارے میں رقمطراز ہے کہ یہ زیاد بن ابیہ کو مذبذب و جھوٹا کر  
تھے۔ ایک بار آپ نے اسے لکڑی کا نشانہ بھی بنایا اس پر زیاد نے یہ قہقہہ معاویہ کو لکھا اور  
حجر کو گرفتار کر کے معاویہ کے ہامدوانہ کر دیا۔ وہاں کچھ دین فروش کو ابھی جمع ہو گئے جنہوں نے جناب  
حجر کے خلاف گواہی دی۔ جناب حجر کے ساتھ بیس افراد تھے۔ معاویہ نے سب کو قتل کر دینے کا  
فیصلہ کرتے ہوئے انہیں «مرج عذرا» کی طرف بھیج دیا۔..... جب یہ حضرات عذرا پہنچے  
تو کہا جاتا ہے کہ معاویہ کا آدمی آیا اور اس نے پیش کش کی کہ تو بیکریں اور غنای سے اظہارِ برائت  
کریں۔ دس آدمیوں نے اس پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا جب کہ دس نے قبول کر لیا۔  
چنانچہ وہ دس شہید کر دیئے گئے جنہوں نے معاویہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔

«اعظم اوری» میں حکایت کی گئی ہے کہ ایک روز معاویہ عائشہ کے ہاں پہنچے تو عائشہ  
نے پوچھا کہ تم نے اہلِ عذرا یعنی حجر اور ان کے ساتھیوں کو کس بنا پر قتل کیا؟ معاویہ نے

عرض کی۔ «اے ام المومنین! میں نے ان کے قتل کر دینے میں امت کی بہتری اور ان کو زندہ رکھنے  
میں امت کا فساد دیکھا اس لئے تمہیں قتل کر دیا۔»..... اس پر عائشہ نے کہا  
میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ «عذرا میں کچھ لوگ میرے بعد قتل کئے جائیں گے جن کیلئے  
خدا اور اہلِ مسلمان غضبناک ہوں گے۔»

اشہ عیاضؒ میں ان کا قتل واقع ہوا ہے۔ «تاریخ ابن اثیر» اور کتاب  
ابی الفرج الکلبی میں یہ فقرہ نقل ہے۔ مگر مفہم حالات اور کیفیتِ قتل پر مشتمل ہے۔

بہر حال! یہ افراد یاں جیسے بہت سے افراد علومِ اہلبیت علیہم السلام کے ورثہ دار  
اور اپنی اپنی قوم میں اہلبیت علیہم السلام کے نمائندے اور بہر حال میں ان کے دستدار تھے ایسے  
میں کیا یہ لوگ احکامِ شریعت سے آگاہ اور ناخوش گوار حوادث و واقعات میں اپنی شرعی ذمہ داریوں  
سے خبردار نہیں تھے۔؟ پس اگر ترکِ تقیہ ان کی نظر میں ناپسندیدہ مقایا ترک اور فعلِ تقیہ  
دونوں مساوی ہوتے تو پھر وہ ترک کو فعل پر ترجیح کیوں دیتے۔؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان  
جیسے حالات میں ترکِ تقیہی بہتر ہے۔..... اس کے علاوہ مشہور تھار اور جناب  
عمر بن الحنفیہؒ کے حالات میں منقولہ ہمت سی احادیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ  
نے ان کو اپنی راہ میں قتل کر دیتے جانے کی خبر دی تھی۔ ان کی تعریف بھی کی تھی۔ اور ان میں سے بعض  
پر آپؑ روئے بھی تھے۔ ان سارے واقعات میں دوسروں کے لئے ترغیب و تشویق موجود  
ہے کہ تقیہ ترک کریں۔ اگر ترکِ تقیہ جلتی ہو تو امیر المومنین کا یہ فعل درست نہ ہوتا۔.....  
..... بلکہ ساری روایتوں میں ملتا ہے کہ تمام آئمہؑ نے ان لوگوں کی  
تعریف کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے ایسے موارد میں ترکِ تقیہ کو مستند  
قرار دیا ہے۔

معاویہ کے ایک خط کے جواب میں امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو اس کی بداعمالیوں اور بے  
 مینوں کی واضح الفاظ میں خبر دیتے ہوئے عمر بن مطلق، جبر بن عدی اور بن کے اصحاب کے بارے  
 میں لکھا ہے: "اے معاویہ! کیا تم کذہ کے بھائی، جبر بن عدی اور بہترے دوسرے ایسے  
 نمانگزاروں اور عابدوں کے قاتل نہیں ہو جو ظلم کو ناپسند کرتے تھے، بدعتوں کو ناپسند کرتے  
 تھے اور خدا کی راہ میں اہل مسلامت کی مسلامت سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ تم نے انہیں نہایت  
 سفاک اور بری بے دردی سے قتل کیا جب کہ تم نے ان کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان باندھا تھا؟  
 کیا تو نے صحابی رسول حضرت عمر بن الملق کو مار مار دینے کے بعد قتل نہیں کیا اگر کثرت  
 عبادت سے جن کا بدن لاغر ہو گیا تھا..... اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا؟ جب کہ  
 تو نے ان کو مار مار دی تھی اور ان کے ساتھ ایسا مضبوط عہد و پیمان باندھا تھا اگر وہ عہد کسی  
 پرندے کے ساتھ بھی کیا جاتا اور تو اس کے بعد اس کو قتل کر دیتا تو تو استخفاف عہد اور پروردگار  
 کے خلاف جرأت و جبارت کا مجرم قرار پاتا۔

بلکہ جبر اور ان کے اصحاب کے بارے میں عائشہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ  
 حضرت رسول خدا نے بذات خود بھی ان پر انکس کیا، ان کے لئے غضب کا اظہار کیا اور ان  
 کی عظمت بیان فرمائی۔

یہ سارے مذاک اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا عمل مستحسن تھا۔ رسول اس سے خوش  
 تھے اور اہلبیت علیہم السلام اس سے راضی تھے۔ اگر ترک تفتیہ مکروہ ہوتا تو رسول اور اہلبیت  
 کبھی بھی خوش نہیں ہو سکتے تھے۔

لیکن اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ بہت ساری روایات ان موارد میں ایسی  
 ہیں جو تفتیہ کو اچھا سمجھتی ہیں۔ اور رخصت الہی سے استفادہ کرتے کو کہتی ہیں۔ لہذا ہمیں یہ

نہاش کرنا ہے کہ ان روایات کے مضامین میں ہابہنگی کیسے پیدا کی جائے۔

## احادیث کے مضامین

### میں

## ہابہنگی کا طریقہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین طریقہ تفصیل ہے جس کی طرف  
 ہم نے اشارہ کیا تھا کہ حدیثیں مختلف زمانوں اور شخصیتوں کے بارے میں ہیں۔ مثال کے طور  
 پر اگر کوئی شخص ایک امت کی رہبری کے عہدے پر فائز ہو، لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں اور وہ  
 اہلبیت علیہم السلام سے قرب کے عنوان سے معروف ہو، اس کے لئے ایسے موارد میں نقصان  
 اٹھانا مصیبتوں کو برداشت کرنا، یہاں تک کہ عام شہادت پنی جائزہ صرف یہ کہ بہتر ہے بلکہ کبھی  
 موجب بھی ہو جاتا ہے خصوصاً اس وقت جب کہ ان حوادث سے گریز کے نتیجے میں حق کے  
 فاسد ہو جانے، ارکان اسلام کے تزلزل ہو جانے اور آخر کار دین کے متضرر ہو جانے کا اندیشہ  
 ہو۔ "یعنی ایسے موقع پر ایسے شخص کے لئے ترک تفتیہ واجب ہے۔".....

..... اسی طرح نفلوں کے اعتبار سے اگر بنی امتیہ جیسا دور ہو۔ خصوصاً وہ تاریک دور جو  
 شہادت امیر المومنین علیہ السلام کے بعد تھا جس میں اسلام کی روشنی معاویہ کے ہاتھوں میں  
 تھی۔ یا اس جیسے دوسرے ادوار میں مشرکوں اور اور جاہلیت کے باقی ماندہ گروہوں  
 اور قرآن میں مذکورہ شجرہ خبیثہ کے مصداق بننے والے خود کو بھونکنوں سے بچا دینے اور بنی  
 اکرم کے حقیقی اوصیا کی فضیلتوں پر پردہ ڈالنے کی ناپاک کوششیں اس لئے شروع کر دی



تھیں تاکہ لوگ غائب و خاسر ہو کر پھیلے پاؤں پات جائیں۔ اس قسم کے اعصار میں واجب ہے کہ کچھ مردانِ حقِ حق کا علم بلند کریں، اقیقہٴ حضور دیں، خدا کی روشن آیات کا اظہار کریں اور دشمنانِ دین کی سیاہ پیشانیوں کو داغدار بناتے ہوئے ظلم و ظفیان کا رخ موڑ دیں۔ اگر یہ لوگ اپنی جان و مال کی پروا نہ کئے بغیر راہِ خدا میں جہاد کرتے تو اسلام قرآن اور صاحبِ قرآن کا حرفِ اسم و ذکر بطور رسم باقی رہ جاتا۔ انصار و مہاجرین اور راہِ ہدایت میں ان کا اتباع کرنے والے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر گزشتہ اور آئندہ نسل کے درمیان ایک واسطہٴ خیر بن گئے۔ اگر عمر بن عدی، شیم، عمرو بن اٹحق، عبداللہ بن عقیف، عبداللہ ابن یقطر اور سعید بن جبیر جیسے عاشقِ دین الہی کا جہاد نہ ہوتا تو آثارِ نبوت اور آثارِ ائمہ علیہم السلام محو کر دیے جاتے۔ اس لئے کہ اسلامی حکومت کی فضاؤں پر باطل کا غلبہ تھا جس نے اپنے نئے مظالم کے ذریعہ لوگوں کو دبا دیا تھا۔ دعوتِ اسلامی کے تمام مراکز ان کی نگرانی میں تھے اور لوگ تو بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

ہمارے اس نظریہ کی تائید شیخ انصاری کی عبارت سے ہوتی ہے خلافت  
 میں کہ ”تقیہ وہاں مکروہ ہے جہاں نقصان کا تحمل تقیہ سے بہتر ہو جیسا بعض (فقہاء  
 و علماء) نے اظہارِ کفر کے بارے میں فرمایا ہے۔ لوگ جس کی اقتدا کرتے ہوں اس  
 کے لئے بہتر ہے کہ وہ کلامِ اسلام کی سر بلندی کی خاطر تقیہ ترک کر دے۔“

یہ حکم عفر بنی امیہ یا بنی عباس سے غنص نہیں بلکہ ہر وہ زمانہ جس میں ایسے حالات پیش ہوں اس میں بغیر کسی فرق کے یہی حکم ہے۔.....

لیکن اگر زمانہ صادقین اور امام رضا علیہ السلام کے زمانہ سے مشابہ ہو جس میں مسئلہ آتنا سنگین نہیں تھا تو اس میں قیعد کرنا بہتر ہے جیسا کہ اس باب کی احادیث سے ظاہر

ہوتا ہے۔ لیکن استیلا پھر بھی محفوظ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ ثابت ہو جا تا ہے کہ ترکِ قعدہ اور فعلِ قبیحہ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ امیر المومنینؑ کے قولِ بعدِ وائے زمانہ میں ترکِ قعدہ بہتر ہے جب کہ صاداتین اور امام رضاؑ کے زمانہ میں فعلِ قبیحہِ مستحسن ہے۔ اس لئے کہ دوسرے دور میں اسلام کو اتنا خطرہ نہیں تھا جتنا پہلے دور میں تھا۔ لیکن دوسرے دور میں بھی یہ حکم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ جو لوگ امت کی رہبری کے عہدہ دار ہوں ان کیلئے ترکِ قعدہ ہی بہتر ہے۔..... رہ گیا مسئلہ ہمارے دور کا تو اس میں بھی حکم مختلف ہے۔ جیسے حالات ہوں ویسے ہی حکم ہو گا۔ حالات و حوادث کی ناگوار یوں کے تحت کبھی اہم اصحابِ امیر المومنینؑ کی سنت اپنائے گی تو کبھی اصحابِ صاداتین کی پیروی کرنا پڑے گی۔

کی تو بھی اصحابِ صادقین کی پیروی کرنا پڑے

میں ان کا ساتھ دیتا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ جماعت کی نیت سے پڑھے تو یا وہ نماز کافی ہوگی یا اس کو اس نماز سے پہلے یا بعد میں اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا ہوگی؟

اگر ہم یہ کہیں کہ اس کو جماعت میں شریک ہو کر اپنی نماز پڑھنا چاہیے تو اس صورت میں جماعت کی ظاہری شکل کو برقرار رکھنے کے لئے اجزاء و شرائط نماز میں جو کمی واقع ہوگی اس کی کمی کے باوجود آیا اس کی وہی نماز کافی ہوگی یا نہیں؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے پہلے اس مسئلہ کے حل میں بیان ہونے والی روایات کی جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں صحیح نتیجہ اخذ کیا جاسکے.....  
..... روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے من لایحضرہ الفقیہ میں زید الشحام کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے: "حضرت نے زید کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرمایا: "اے زید! لوگوں کے ساتھ ان ہی جیسا اخلاق برتاؤ کرو۔ ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ جنازوں میں شرکت کرو۔ اگر ممکن ہو تو ان کی امامت اور اذان گوئی کے فرائض انجام دو۔ اس لئے کہ جب تم ایسا کرو گے تو وہ کہیں گے یہ ہیں جعفری خدا جعفر صادقؑ پر رحم کرے۔ وہ اپنے دوستوں کی کتنی اچھی تربیت کیا کرتے تھے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ کہیں گے جعفری ایسے ہی ہوتے ہیں۔ برا ہو" معاذ اللہ جعفر صادقؑ کا جنھوں نے اپنے اصحاب کی صحیح تربیت نہیں کی۔"

## تَقِیَّہ

### پڑھنے کی نسا کا حکم

بے شک خوف کی بنا پر مخالف عقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن آیا حسن معاشرت کے تقاضوں کے تحت اور اتحاد و دوستی برقرار کرنے کے لئے بغیر خوف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (یہ مسئلہ قابل بحث ہے۔)

ہمارے زمانہ میں اور خاص طور سے حج کے موسم میں ان لوگوں کی جماعت میں عدم شرکت جان وال یا عزت و ناموس کے لئے باعث فخر نہیں ہے۔ تاہم اخوت اسلامی اور حسن معاشرت کا ثبوت دینے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اور اکثر روایات بھی اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ شاید اس مضمون کی روایات متواتر ہوں.....  
..... لیکن.....

سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا جماعت کی نیت سے نماز پڑھے یا فرد کی نیت سے نماز میں ظاہری طور پر شریک ہو جائے لیکن جہاں تک ممکن ہو اپنی نماز پڑھتا رہے اور افعال



امام جعفر صادقؑ نے جو ان کی مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بلاشبہ اس سے مراد جماعت سے نماز پڑھنا ہے اور اطلاق تعالیٰ اس بات پر طالت کرتا ہے کہ وہ نماز کافی ہے..... لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ روایت اس جہت سے تمام بیانہ میں نہ ہو۔

۱۔ شیخ نے تہذیب میں اسحاق ابن عمار سے نقل کیا ہے اسحاق کہتے ہیں: مجھ سے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے اسحاق کیا تم ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی "ہاں" حضرت نے فرمایا: "ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو" اس لئے کہ پہلی صف میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے والا دیا ہی ہے جیسے کوئی شخص راحہ خلد میں جہاد کرنے کیلئے شمشیر برہنہ کر کے نکلا۔

تقریباً ایک جیسے مضمون کی حامل ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جماعت کی نیت کر کے نماز پڑھنا ارجمان رکھتا ہے اور وہ نماز کفایت کرے گی اور اسکو دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے مگر یہ کہ الگ سے کسی دلیل سے دوبارہ پڑھنا ثابت ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر ہم ان روایات کی روشنی میں فیصلہ کریں تو ان کے ساتھ جماعت کی نیت کر کے نماز پڑھنے کا حکم دینے میں ہم حق بجانب ہوں گے اور یہ کہ وہ نماز کافی ہوگی چاہے ہمارے مذہب کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس کو رسول اللہ کی اقتداء سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شوکت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور دشمنان

اسلام کی جزیں کھوکھلی ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے کو اللہ کی راہ میں تلواریں کھینچنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے..... لیکن ان باتوں کے باوجود یہ روایات شدید علماء کے مسلک کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم صاحب حدائق کا نظریہ نقل کریں گے "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایتیں واجب العمل نہیں ہیں۔"

۲۔ محاسن میں عبداللہ ابن سنان سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو فراتے ہوئے سنا۔ اے لوگو! میں تمہیں تقویٰ الہی اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم لوگوں کو اپنے کندھوں پر سوار نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں کو اجاڑ۔ بے شک خدا نے سبحان اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔ "لوگوں سے جیسی باتیں کرو۔" اس کے بعد حضرت م نے فرمایا: "ان کے مریضوں کی عیادت اور ان کے خاندانوں میں شرکت کرو۔ ان کے حق میں ایمان کے خلاف جیسا موقع ہو گواہی دو اور ان کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھو۔"

۳۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اپنے نوادر میں ساعۃ سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے دریافت کیا تو امام نے فرمایا: "یہ بہت مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ رسول اللہؐ نے ان کے ساتھ رشتہ کیا اور علیؑ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔"

یہ تین روایتیں بھی اتحاد کو برقرار رکھنے کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز پر طالت کرتی ہیں..... البتہ ممکن ہے کہ روایت علی بن جعفر ایسے موقع سے مروی ہو

ہو جب انسان کو جان و دل کا خطرہ درپیش ہو۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ۔  
 ”ان کی اقتدا میں نماز پڑھے اور وہ نماز کافی ہوگی۔“ اس کے علاوہ نماز کو نیکاح کے ساتھ ذکر  
 کرنا اس امر کا گواہ ہے کہ اس سے مراد نماز واجب کا بجالانا اور اسی کو کافی سمجھنا ہے۔  
 اسی طرح امام کا یہ فرمان کہ یہ شکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا اسی چیز کی طرف  
 اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اس سے مراد فرادی نماز ہوتی اور پہلے  
 یا بعد میں اس نماز کا ترخصا ضروری ہوتا تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر آدمی ایسا کر سکتا ہے  
 کو ظاہری طور پر ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ لیکن اپنی نماز لگ جا کر پڑھے۔

۴۔ صدوق نے بطور مسل (داوی کا ذکر کرتے بغیر) نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ امام  
 جعفر صادق نے فرمایا اگر تم ان کے ساتھ نماز پڑھو تو تمہارے مخالفوں کی تعداد کے برابر تمہارے  
 گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

یہ روایت بھی دوسری روایات کے مانند اصل جواز پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس میں  
 اس نماز کے کافی ہونے یا نہ ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔..... (یہ روایتیں بطور  
 نمونہ ہم نے ذکر کی ہیں۔ تلاش کرنے والے کو بہت سی روایتیں اور بھی مل سکتی ہیں)  
 ان روایات کے بالکل عکس و سائل کے چھپے باب میں ابواب جماعت کے  
 تحت کچھ روایات مذکور ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مخالف عقیدہ کے چھ پڑھی گئی  
 نماز کافی نہیں ہے بلکہ تا تو پہلے اپنی نماز پڑھ لے یا بعد میں اس کا اعادہ کرے۔ بنا برآں جو  
 نماز ان کے ساتھ پڑھے گا وہ مستحب ہوگی اور جو پہلے یا بعد میں پڑھے گا وہ اس کی واجب نماز

ہوگی۔ البتہ اگر فقہ مستحب ہو تو نماز بھی مستحب ہوگی۔ لیکن اگر فقہ خوف کی بنا پر واجب ہو تو  
 نماز بھی واجب ہوگی۔ چنانچہ اس مضمون کی بعض روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے ”فقہ“ میں عمران بن زید کے حوالہ سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے  
 حضرت نے فرمایا تم میں سے ہر وہ شخص جو عمر میں اپنی واجب نماز پڑھنے کے بعد تفریق کرے  
 ہوئے ان کے ساتھ نماز میں شرکت کرے اور با وضو بھی ہو تو خدا اس کے لئے پچیس درجہ  
 مخصوص فرمائے گا۔ لہذا تم اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی اقتدا جائز ہوتی تو فرادی نماز پڑھنے کی ترغیب  
 دینا بے کار ہوتا۔ یہ ترغیب گواہ ہے کہ ان کے ساتھ پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے۔.....  
 مگر خدا ارکے کوئی یہ کہے کہ اس قسم کا اجتماع مستحب ہے۔ اس کے واجب ہونے  
 پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہذا یہ ان کی اقتدا کے حوالہ سے منافات نہیں رکھتا۔ چاہے فقہ تحمیلی  
 ہی کیوں نہ ہو۔..... لیکن یہ کہنا آسان ہے اس کا بادر نہایت  
 مشکل ہے۔

۲۔ حضرت صدوق نے عبد اللہ بن مسنان کے واسطے سے امام جعفر صادق سے  
 بیان کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص وقت میں نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ بحالت  
 وضو ان کے ساتھ نماز پڑھے تو خداوند عالم پچیس درجہ اس کے لئے لکھ دیتا ہے۔  
 اسی راوی کا بیان ہے کہ امام صادق نے فرمایا۔ میرے دروازے کے سامنے



مسجد ہے جس میں ہمارے دشمن اور مخالف ہوا کرتے ہیں اور وہ شام تک اس میں نمازیں پڑھتے ہیں  
میں عصر کی نماز پڑھ کر نکلتا ہوں اور پھر ان کے ساتھ جا کر نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے  
فرمایا کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے لئے جو بیش نمازوں کا ثواب لکھا جائے۔

۴۔ شیخ نے ابوالحسن اول سے نشیط ابن مصلح کے حوالے سے روایت کی ہے۔  
نشیط کہتے ہیں میں نے امم کی خدمت میں عرض کیا ہم میں سے ایک شخص اپنے گھر کے دروازے  
متغفل کہہ کے اپنے گھر میں بند ہو کے نماز پڑھتا ہے اور پھر گھر سے نکل کر اس نماز کو اپنے ہمسایوں  
کے ساتھ جماعت سے پڑھتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ امم نے فرمایا: ایسے شخص کو پروردگار  
عالم جماعت کا دو گنا ثواب دے گا اور اس کے لئے پچاس درجے ہوں گے اور وہ نماز جو وہ  
اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھتا ہے اس کے لئے پیغبر کی اقتدا میں نماز پڑھنے  
والے کا ثواب لکھا جانے کا۔ وہ ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا ہے اور جب وہاں سے  
جاتا ہے تو اپنے گناہ ان کے لئے بھیڑ کر اور ان کی نیکیاں لے کر جاتا ہے۔

اس روایت میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے جواب میں سال کے فعل کو مستند قرار دے کر اس کے لئے ہر نماز پر دوہرا اجر بیان فرمایا ہے۔ اب اگر مخالف ائمہ دشمن کے چھپے پیچھے گئی نماز کافی ہوتی تو کھڑے میں چھپی گئی نماز کا ذکر نہ کیا جاتا۔ خاص طور سے ایسے موقع پر جب وہ شخص اس قدر مجبور ہو کہ گھر کے دروازے بند کر کے تنہا نماز پڑھے۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر تقیہ جائز ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اگر

کوئی شخص اپنی نماز جدا گانہ ادا کرے تو وہ دوسرے اجر کا مستحق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالف عقیدہ کے چھپے پڑے کسی نماز کو کافی نہیں ہے۔ (مترجم)

ممکن ہے اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ دونوں نمازیوں کو کوئی مسجد یا جگہ ہے  
جہاں پر بھی گنتی نماز کا اجر جماعت کے برابر ہے۔ اور جماعت سے پر بھی گنتی نماز کا  
اجر رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے برابر ہے۔

خلفہ صا س مطلب کی اور بھی بہت سی روایات ہیں، ان کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں کہ جو مخالف عقیدہ کی اقتداء میں چڑھی گئی نماز کو ناکافی قرار دیتی ہیں۔ اگر ہم ان روایتوں اور پہلے ملاحظہ کی روایتوں میں جو مخالف عقیدہ کی اقتداء کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں، سمجھو کہ کرنا چاہیں تو یہ ماننا ہے کہ اگر اگر تعقیف خوف کی بنا پر نہ ہوا اور نماز گذار ان کی جماعت سے پہلے یا اس میں شرکت کے بعد اپنی نماز فرادی چڑھنے پر قادر ہو تو غور فرمائیے۔

غیر کہ اگر تفسیر (حفظ وحدت کے لئے) ہو اس صورت میں ان کے چھ  
بڑی نئی ساز کا کافی سمجھنا مشکل ہے۔ اگرچہ طائفہ اول والی روایات یہی کہتی ہیں کہ وہ نماز  
کافی ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر لیکن اس کوئی شک نہیں کہ طائفہ اولیٰ والی روایات کی روشنی میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا جائز ہے اور جو روایات یہ کہتی ہیں کہ ان کی اقتداء نہیں ہے بلکہ صرف ان کے ساتھ شریک ہونا تا ان کو دیکھا سکے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ پہلے طائفہ سے منافات نہیں رکھتیں۔..... البتہ یہ

سب مدیریں وہاں کام میں لائی جائیں جہاں تقیہ حفظ اتحاد کے لئے ہو۔ لیکن اگر تیزی خوف کی بنا پر مہر و نون کے چھپے پھر گئی نماز کافی ہے۔ اس کیلئے پڑھ کر دیکھنا باقی ہے کہ آیا اس

کفایت کے لئے تنہائی میں کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کا مکان ہونا شرط ہے یا نہیں  
تفصیل اس مسئلہ کی تنبیہات میں آئے گی۔

# تَقِیہ

حسے ملحق ضروری مسائل

پہلا مسئلہ:

کیا تقیہ مخالف مذہب کیساتھ مخصوص ہے

جب ہم روایات کو دیکھتے ہیں تو اکثر روایتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مخالفوں  
سے مخصوص ہے۔ ان روایتوں سے انسان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حکم تقیہ صرف مذہب کے  
مخالفوں کے ساتھ مختص ہے۔ بنا براین انہوں نے سامنے یا کنارہ دشمنین کے سامنے تقیہ  
نہیں کیا جاسکتا۔ ..... درج ذیل عبارت میں شیخ انصاریؒ اپنے رسالہ  
تقیہ میں فرماتے ہیں۔

تقیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ غیر مذہب والوں سے ہو۔ جیسا کہ تقیہ کی اجازت  
دینے والی دلیلوں سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص ہے۔



جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم مذکور کافروں اور شیعوں ظالموں کے بارے میں ہی جاری نہیں ہوگا لیکن آئندہ ذکر ہونے والی مسعدہ ابن صدق کی روایت اور تفتیہ کے ذیل میں وارد ہونے والی روایتوں کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ تفتیہ کا حکم عام ہے یعنی غیر مذہب والے اور کفار و مشرکوں کے ظالموں سب کو شامل ہے۔

مسعدہ ابن صدق کی روایت میں مورد تفتیہ کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک ایسی ظالم قوم جس کا حکم عمل حق کے حکم و عمل کے برخلاف ہو اس قوم کے سامنے تفتیہ پر مبنی مؤمن کا عمل جو دین میں فساد کا باعث نہ بنے جائز ہے۔

مجھے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ تفتیہ کے معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اصطلاح اولہ اور لغت کی روشنی میں حکم تفتیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے۔ اس لئے کہ تفتیہ کا مطلب ایسے عقیدہ یا دینی عمل کو پوشیدہ رکھنا ہے جس کے اظہار میں نقصان ہو اور اس کا معیار و ملاک قاعدہ اہم و مهم اور کم محدود کو محدود پر ترجیح دینا ہے۔ یہ ایک ایسا عقلی قاعدہ ہے جس کی ہر مذہب و مشرب والے عقلاً گواہی دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ خاص مجبوروں کے تحت زبان سے انکار بھی کرتا ہے۔ تاہم دل و جان سے وہ اس قاعدہ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور وقت پڑنے پر اس کو کام میں بھی لاتا ہے۔

یہ چیز واضح ہے کہ تفتیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کافروں مشرکوں اور شیعوں ظالموں کے سامنے بھی کام میں لایا جاسکتا ہے۔ بلکہ وہ مولد زیادہ میں کہ جہاں کمزور و آئلوں افراد بعض شیعوں ظالموں کے سامنے تفتیہ کو سپرینا تے ہیں۔ مگر چہ اس قسم کا تفتیہ عبادت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے امور میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ وہ روایات اور قرآن کریم کی وہ آیات جو کافروں اور مشرکوں سے تفتیہ پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی اس اسر کی گواہ ہیں کہ تفتیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم کے اٹلی قوم سے تفتیہ کرنے پر دلالت کرنے والی آیات، مؤمن آل فرعون کے تفتیہ والی آیتیں، عمار یا سر اور دوسرے مسلمانوں کے مشرکین مکہ سے تفتیہ کے بارے میں آیتیں اور وہ روایت جو میلہ کذاب کے چٹنگل میں گرفتار دو اشخاص کی مجبوری میں وارد ہوئی ہے جن میں سے ایک نے تفتیہ سے کام لیا اور دوسرے نے اظہار حق کو ترجیح دی اور نبی اکرم نے دونوں کے حل کو سراہا اور دونوں کو تابع مصلحت قرار دیا۔

بلکہ قرآن مجید میں لفظ تفتیہ یا تقاۃ عرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ بھی مشرکوں کے مقابلہ میں جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکم عام ہے۔ لہذا اس کے لئے ہمیں روایات کے اطلاق و عموم یا روایت مسعدہ ابن صدق سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور بغیر کسی شک کے حکم تفتیہ کا عموم ثابت ہو جاتا ہے اور یہ کہ اس دور میں اہل سنت کے مقابلہ میں کفار و مشرکین سے زیادہ تفتیہ کرنا پڑتا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تفتیہ کے لئے فردی نہیں کہ مورد تفتیہ اہل سنت کے مذہب کا جز یا اس میں شامل ہو۔ مثال کے طور پر ترک حج تمتع ان کے تمام ذوق کا مذہب نہیں ہے۔ اسی طرح نماز میں ہاتھ باندھنا بھی ان کے کچھ فرقوں کا طریقہ ہے۔ جبکہ ان کے بعض علماء ہاتھ کھلے رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود تفتیہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے تاکہ عوامی الزامات سے بچا جاسکے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان کی بعض حادثوں کی وجہ سے کہ جن کو وہ مذہب میں داخل سمجھتے ہیں اور ان کی رعایت ترک واجب یا تبدیلی واجب یا فعل حرام کے بغیر ممکن نہیں ہوتی انسان تفتیہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ مجبوری کے وقت تفتیہ کرنا جائز ہے۔

## دوسرا مسئلہ:

### ”تفتیہ موضوعات میں“

موزوں پر مسح کرنے، نماز میں ہاتھ باندھنے، اکلنے پینے یا پہننے والی اشیاء پر سجدہ وغیرہ جیسے بے شمار احکام میں بلاشبہ تفتیہ جائز ہے۔ اور اس سلسلہ میں بحث ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ میں موضوع بحث یہ ہے کہ آیا موضوعات میں بھی تفتیہ ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟ مثال کے طور پر عید کے چاند یا حج کے لئے ذی الحجہ کے چاند کی رویت کے بارے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی حکومت چاند کا اعلان کر دیتی ہے جس کی بنا پر وہ لوگ اطفال کر لیتے ہیں یا حج بجالاتے ہیں۔ اگر شیعہ حضرات اس حکم میں ان کا ساتھ دیں تو ان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسے میں آیا ان کی متابعت درست ہے یا نہیں شیعوں کے نزدیک چاند ثابت نہ بھی ہو یا ان کو معلوم ہو کہ چاند نہیں ہوا ہے؟ اور آیا اولہ تفتیہ اس مورد کو شامل ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ۔ شرعی احکام کے موضوعات دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ کچھ موضوعات شرعی نوعیت کے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری ہے

مثال کے طور پر نماز کے اوقات وغیرہ۔

نہیں ہے۔ جیسے رحمت ہلال وغیرہ۔

پہلی قسم یعنی شرعی نوعیت کے موضوعات میں تفتیہ کی دلیلیں بغیر کسی شک و شبہ کے جاری ہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے جس میں بحث ہو چکی ہے۔

..... فی الحال ہماری بحث دوسری قسم میں ہے۔ جس کی چند صورتیں ہیں

ایک صورت یہ ہے کہ ہمیں ان کی خطا کا علم ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری نظر میں ان کے حکم کی صحت مشکوک ہو۔ شک کے اسباب کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ کبھی تو شک ان خارجی دلیلوں کی وجہ سے ہوتا ہے جن کو وہ اثبات موضوع کے لئے کام میں لاتے ہیں اور کبھی ان کے نزدیک معتبر اور ہمارے نزدیک غیر معتبر اور باطل شرعی طریقے اس بات کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کئے بغیر ان پر اعتماد کر کے موضوع کو ثابت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تحقیق واجب نہیں ہے جب کہ ہمارے نزدیک شخص کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے۔

بحث کے لئے جو چیز باقی رہ جاتی ہے وہ خالص خارجی موضوعات ہیں جن کا شارع سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں چاہے ہیں ان کے غلطی پر ہونے کا علم ہو یا نہیں شک ہو اور وہ موضوع ہمارے نزدیک ثابت نہ ہو۔ اس میں بھی بحث کے دو محور ہیں ایک محور تکلیفی اور دوسرا حکم وضعی ہے۔

جب تفتیہ کی شرائط جمع ہوں تو حکم تکلیفی کے اعتبار سے اہل سنت جیسا عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ بعض ائمہ نے بھی ضرورت کے وقت اس قسم کے تفتیہ پر



عمل کیا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے رمضان کے آخری دن میں منصوص روایتی کے خوف سے افطار کیا جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے اور ہم عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے لہذا ضرورت کے وقت جوازِ تقیہ پر دلالت کرنے والی تمام دلیلیں اس مورد میں عمل کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حکم تکلیفی کا اعتبار سے مسئلہ روشن ہے۔

بحث صرف حکم عمومی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ایسی حالت میں انجام دیا گیا عمل کیا مجزی اور صحیح ہے یا نہیں۔ ۹ اور آیا عمل تقیہ کی نفاذ پر دلالت کرنے والی گذشتہ روایتیں اس مورد کو بھی شامل ہیں یا نہیں۔ ۱۰ مثال کے طور پر روایت ابو نعیمؒ میں ہے کہ نبید پینے اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کا مطابقت میں عبادت صحیح ہے چند موارد اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ روایت زرقہ میں بھی امام کے قول سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تین چیزیں ایسی ہیں جن میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ اور چیز کے استعمال، موزوں پر مسح اور جمع میں۔“ روایات ابوبہرہؒ اور اقسام جمع میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

البتہ امام کی وہ حدیث جو منصوص روایتی سے متعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اگر میں ایک دن افطار کر کے اس کی قضا بجا لاؤں تو یہ مجھے اپنی گردن مارے جانے سے زیادہ پسند ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عمل کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی قضا واجب ہے۔ لیکن آخر بحث میں ہم اس کی وجہ بیان کریں گے۔ جس سے شک دور ہو جائے گا۔

بہر حال انصاف کی بات تو یہ ہے کہ روایات تقیہ کی عمومیت کے پیش نظر امام کے

موجودہ روایات میں مواردِ احکم کی خصوصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ترجیح مناط کے اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان موضوعات میں بھی تقیہ پر عمل صحیح اور رافعِ تکلیف ہے۔ خاص طور سے حج اور چاند کی رؤیت کے مسئلہ پر تو ہر زمانہ میں تقیہ پر عمل ہوتا رہا ہے۔

..... چنانچہ صاحبِ جوہر کتاب حج میں فرماتے ہیں: ”یہاں ایک ایسا فردی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ جس کا ذکر تمام مسائل سے زیادہ بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اہلسنت کے قاضی کے لئے دو گواہوں کے ذریعہ چاند ثابت ہو جائے جب کہ ہمارے نزدیک وہ (یوم الترویہ) ہو اور ان کے نزدیک (عرف) تو ایسی صورت میں کیا شیعہ حضرات ان کے ساتھ یقیناً توقف کر سکتے ہیں۔ ۱۱ یا ان کے لئے وقوف کافی نہیں ہوگا یا اس لئے کہ اس موضوع میں تقیہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ رمضان کے آخری دن اگر وہ عید منانے کا حکم دیں تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے جس پر بعض روایتیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ”ایک روزہ چھوڑ کر اس کی قضا رکھنا مجھے اپنے قتل کر دینے جالنے سے زیادہ پسند ہے۔“ میں نے علماء میں سے کسی کے ہاں بھی اس طرح کا کلام نہیں دیکھا اور ایسے مولد میں بھی تقیہ پر عمل اور اس کا کافی ہونا بعید نہیں ہے۔ چونکہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اسی طرح کا احتمال قضا میں بھی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کی نسبت علامہ طباطبائیؒ کی طرف دی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ترک احتیاط مندرجہ نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

یہ تھا صاحبِ جوہر کا نظریہ اور اس میں شک نہیں کہ نتیجہ کے اعتبار سے موصوف کا کلام نین ہے۔ لیکن اس میں چند اعتراضات جواب طلب ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ رمضان کے آخری دن اہلسنت کے حکم کے مطابق عید منانے کا اس قدر

کی قضا رکھنے والے مسئلہ کو وقف اور دوسرے عساک حج پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے

۲۔ دوسرے یہ کہ صرف حرج کا خطہ کسی عمل کے صحیح اور کمال ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ حرج کی وجہ سے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عمل حرام نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ صاحب جواہر کا یہ فرمانا کہ ”قضا میں بھی یہ صحت پیش کی جاسکتی ہے۔“ قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ آئینہ برسوں میں پانچ کے ثبوت میں اختلاف کا استمال جمع کے وجہ سے کسی کی گواہی نہیں کرتا۔

بہر حال عبادات اور غیر عبادات میں عمل تقیہ کے کافی ہونے پر وارد ہونے والی دلیلوں کی عمومیت کے پیش نظر انصاف یہ ہے کہ وہ عمل کافی ہے۔ خاص طور سے حج کے مسئلہ میں ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل اس پر عمل ہوتا آیا ہے اور کسی نے بھی نہ تو عاذہ واجب کیا ہے اور نہ دوبارہ وقف کرنے کو کہا ہے۔ بلکہ فقہی کتابوں میں علماء نے اس مسئلہ کو چھوڑا نہیں جیسا کہ آپ صاحب جواہر کے کلام میں دیکھ چکے ہیں

بعض بزرگ علماء اور ان کے ہم عصر اتباع یا ہمارے زمانہ کے کچھ علماء نے روایت ہلال میں اختلاف والے برسوں میں جو احتیاط پر عمل کرنے کی بات کہی ہے یہ بالکل نئی بات ہے جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔ اور یہ ”ایجاد بندہ اگر چہ گندہ“ کے مترادف ہے۔

## مسئلہ اکراہ اور تقیہ

علماء نے مسئلہ اکراہ کے ذیل میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص کو روزہ افطار کرنے پر مجبور

کیا جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا روزہ درست ہے جب کہ شیخ طہنسی سے منقول ہے کہ وہ روزہ باطل ہے اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر تقیہ کی بنا پر افطار کیا جائے تو اس کی قضا واجب ہے اس لئے کہ تقیہ اکراہ کے معانی میں سے ہے۔

افطار موم میں اکراہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ بزرگوار اس تصریح کے باوجود کہ ”اس

روزے کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے خاص طور سے ایسے موقع پر کہ جب

روزہ دار کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ٹھنسی جائے۔“ فرماتے ہیں کہ اس دلیل کی روشنی

میں جو تقیہ کی بنا پر افطار کئے گئے روزے کی قضا واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ اکراہ کی وجہ سے افطار کئے گئے روزے کی قضا بھی واجب قرار دی جائے

اس لئے کہ تقیہ بھی تقریباً اکراہ ہی کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ مسئلہ فاحہ میں امام جعفر صادق سے

منقول ہے۔ آپ نے فرمایا، ایک روز میں حیرت کے عالم میں ابوالعباس کے پاس پہنچا تو

اس نے کہا اے ابو عبد اللہ! آج کے روزے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

میں نے کہا کہ یہ بات امام کے طے کرنے کی ہے۔ چنانچہ اگر تم روزہ رکھو گے تو میں بھی

روزہ رکھوں گا اور اگر تم افطار کر دو گے تو میں بھی افطار کر دوں گا۔ اس نے غلام کو آزاد دی اور

کہا دستہ خزانہ کاؤ۔ امام فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب کہ بغداد میں

جانتا تھا کہ وہ رمضان کا دن تھا۔ اس لئے کہ ایک دن افطار کر کے اس کی قضا بجا لائی ہے

۷۰ اس چیز سے بہتر یہ کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور پھر کبھی اللہ کی عبادت نہ کر سکوں۔ اس

کے علاوہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان کے مہینہ میں ایک دن افطار کر لینا مجھے اپنی گردن

آزاد دینے جانے سے زیادہ پسند ہے.....



اپنے کام کے آخر میں شیخ بزرگوار نے مسئلہ تقیۃً اور اکراہ میں فرق اور ارسال کی وجہ سے خبر قضا کے ضعیف ہونے اور دلیل اکراہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا ہے۔ ..... اس کے بعد دوبارہ پتیرا بدلا ہے اور فرمایا ہے۔ احتیاط ایسی ہے کہ دونوں کو ایک ذرے میں رکھا جائے۔ اس لئے کہ اطلاق تقیۃً کی عمومیت کے ایسے موارد کو شامل ہونے میں شک ہے جن کی بازگشت درحقیقت موضوع میں مصداق یا مفہوم کی طرف ہو نہ کہ حکم کی طرف۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات میں سے کوئی روایت بھی قضا کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسا کہ جناب صدوقؑ نے عینیٰ ابن منصور سے نقل کیا ہے جیسی کہ بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں بھٹا اور دو "یوم شک" تھا۔ آپ نے غلام سے فرمایا جاؤ دیکھو آیا "سلطان" روزے سے ہے یا نہیں غلام نے اگر خبر دی "بادشاہ" روزے سے نہیں ہے۔ تو حضرت نے کھانا منگوایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھانے میں شرکت کی۔ یہ روایت صرف افطار کے حوازی پر دلالت کرتی ہے۔ وجوب قضا کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ باب ستادوں کی دوسری، تیسری اور چھٹی روایت کی بھی یہی حالت ہے۔

وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ روزہ فاسد ہے اگرچہ افطار جائز ہے جس کا لازم وجوب قضا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا روایت ابی النعاس جو کلام صاحب جواہر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہے اور وہ اس باب کی چوتھی روایت ہے اور اسی طرح پانچویں روایت بھی جس کے ذیل میں امام نے یہ فرمایا تھا کہ ایک دن افطار کر کے اس کی قضا رکھ لینا میرے لئے قتل ہو جانے اور خدا کی عبادت سے محروم ہو جانے سے آسان ہے۔ ان دونوں روایتوں سے وجوب قضا کچھ میں آتا ہے

لیکن دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔

شیخ نے ابی جابر و دو سے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ دم پیدا ہوتا ہے کہ روزہ صحیح ہے۔ روایت یوں ہے "ابو جابر و کا بیان ہے کہ میں نے ایک سال جب ہمیں قربانی کے بارے میں شک ہوا تو امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی بعض لوگ قربانی کرتے ہیں آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا افطار، قربانی اور روزہ سب لوگوں کے ہمارے ہے۔" روزہ کی صحت کا شبہ اس روایت سے اس دعویٰ پر نہیں ہے کہ جب لوگ افطار کرتے ہوں۔ وہ حقیقت میں افطار کا دن ہو اگر ایسا ہے تو ہم گنہگار نہیں ہیں۔ لیکن روایت کو اس معنی پر محل کرنا بعید ہے۔ اس روایت میں مسئلہ کا صرف ظاہری حکم بیان ہوا ہے اور یہ کہ فقیر کی بنا پر افطار جائز ہے۔ لیکن قضا واجب نہ ہونے کے بارے میں روایت خاموش ہے۔ "لیکن اگر بیان لیا جائے کہ روایت میں عدم وجوب میں قضا کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب بھی روایت فساد پر دلالت کرنے والی گزشتہ اور آئندہ روایتوں کے مقابلے میں نہیں مل سکتی۔

اس مقام پر یہ تذکر ضروری ہے کہ فقیر کی تمام دلیلیں جس طرح احکام کو شامل ہیں اسی طرح موضوعات کو بھی شامل ہے۔

لیکن روزے کے افطار کا مسئلہ ایک خصوصیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ اعمال کے کافی اور مجزی ہونے کی بحث ان موارد میں ہے کہ جہاں عمل کا تعلق عبادت سے ہو اور اقلیت کی وجہ سے وہ عمل نیتوں کے مذہب کے مطابق بجالایا جائے تو ایسے موقع پر کہس جاسکتا ہے کہ قضا ساقط ہے اور وہ عمل کافی ہے۔ لیکن اگر عمل کو نیتوں کے مذہب میں نہ ہونے کی بنا پر ترک کر دیا جائے تو اس عمل کی قضا ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

کو بیان کیا ہے۔

دوسرا قول صاحب مدارک کا ہے جن کا نظریہ ہے کہ بہر صورت راہ فرار کا نہ ہونا معتبر ہے۔

تیسرا قول تفصیل پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں: اگر متعلق تفتہ ایسا عمل ہو جس میں کسی خاص دلیل کی بنا پر تفتہ کی اجازت ہو تو اس میں اس شرط پایا جاتا ہے نہیں ہے۔ جیسا کہ ناز میں اکتفا کے بارے میں دلیل خاص کی بنا پر تفتہ صحیح ہے لیکن اگر تفتہ کی دلیل خاص نہ ہو بلکہ وہ عموماً ہوں جو ہر وقت اور مجبوری میں تفتہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ سچے بنید سے وضو کرنا یا قیل کے علاوہ رخ کر کے ناز کرنا تو اس صورت میں عمل ہی وقت صحیح ہوگا جب اس کے علاوہ کوئی پارہ نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر راہ فرار ممکن ہو تو اسے اضطراب و مجبوری نہیں کہتے۔ دوسرے تفصیل کو بھی عمق ثانی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا قول وہ تفصیل ہے جس کو شیخ بزرگوار علامہ انصاری نے اختیار کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مکلف تکلیف واقعی کے بجائے پر زمانہ اور جگہ کی تبدیلی کے بغیر قادر ہو۔ مثال کے طور پر ظاہر میں اس کا عمل جس سے تفتہ کر رہا ہے اسی جیسا ہو جب کہ حقیقت میں وہ اپنا صحیح عمل انجام دے رہا ہو۔ مثلاً ان کے الم کے پیچھے نہایت دھیرے قرأت کرے اور ان کو یہ دکھائے کہ غاشش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تفتہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں جگہ اور وقت کی تبدیلی کے بغیر راہ فرار ممکن نہیں ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وقت کے ایک حصہ میں تفتہ کی ضرورت درپیش ہو۔

دوسرے مقلوں میں یہ عرض کیا مناسب ہوگا کہ مجبوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ تفتہ میں انہیں پانچ اہل عمل واقعی کے لئے بل اضطرابی ہوتا ہے۔ جیسا کہ تیمسے پر بھی جانے والی ناز و خیر پر بھی جانے والی ناز کا بدلہ ہوتا ہے۔ اور اس بدلیت کی بنا پر اس عمل کو مجبوری کہا جاتا ہے۔ اگر کسی عمل کو اس بنا پر ترک کیا جائے کہ وہ واجب نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ عمل واجب کا بدلہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے تکلیف ساقط ہوتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تفتہ کی بنا پر اس ساقط ہو جاتی ہے تو قضا بھی ساقط ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شرائط تفتہ موجود ہوں تو ترک قضا اطلاق ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص عتاف مذہب کے ساتھ رہے اور اس کے عمل سے معلوم ہو جائے کہ وہ ہو کہ وہ قضا بجالا رہا ہے تو ایسے موقع پر قضا ساقط ہے۔ لیکن ایسا ساز و نادر ہی ہوتا ہے بلکہ یہ ایسا فرض ہے جس کا مصداق ملنا ناممکن ہے۔ لہذا جب قضا میں تفتہ نہیں ہے تو قضا بجالانا واجب ہے۔

## تیسرا مسئلہ ۱۸

آیات تفتہ کی مشروعیت کے لئے اس سے

فرار کا راستہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں چند قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تفتہ ہر حال میں درست ہے چاہے اس سے راہ فرار ممکن ہو یا نہ ہو۔ شہید اول، شہید ثانی اور محقق ثانی نے اپنی کتابوں میں اسی



مثلاً اگر اول وقت نماز پڑھنا چاہے تو بغیر تہیہ کے نہ پڑھے۔ جب کہ بعد میں پڑھ سکتا ہو اس صورت میں تہیہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ پورے وقت میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔  
۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص جگہ تہیہ فردی ہو تمام جگہوں پر اسکی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً مسجد الحرام یا مسجد البقیع میں غل بجالانا چاہے تو بغیر تہیہ کے ممکن نہ ہو جبکہ دوسرے مقامات پر تہیہ کے بغیر صحیح غل بجالا سکتا ہو۔ اس صورت میں بھی غل عزری ہے اور تہیہ درست ہے۔ اس لئے کہ ہر جگہ راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ مقام غل میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط ہے۔

## لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام اقوال تہیہ خونی سے مربوط ہیں۔ اور مدارائی تہیہ سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مدارائی تہیہ میں وقت یا جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی جگہ اور اسی وقت غل بجالائے تاکہ ان روایتوں پر غل ہو سکے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کا تہیہ دین کو نزدیک کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ لہذا اس میں راہ فرار کا نہ ہونا معتبر نہیں ہے۔ (یعنی اگر راہ فرار ممکن بھی ہو جب بھی تہیہ کر سکے ہیں)۔ آیا امام کے ان اقوال کو، "کہ تم ان کے مریضوں کی عیادت کرو ان کے کھانا میں شرکت کرو" یا اس قسم کے دوسرے اقوال کو اضطراب پر محمول کر کے کہا جاسکتا ہے کہ امام کی مراد یہ ہے کہ اگر راہ فرار ممکن نہ ہو تہیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ان امور میں شرکت کر سکے ہو۔ ۹۔ بزرگ نہیں۔

اس میں کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

البتہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس قسم کے تہیہ میں انجام دیا گیا عمل کافی ہے تو شیخ انصاری کی بیان کردہ تین صورتوں میں سے پہلی صورت کو جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر بغیر کسی تبدیلی کے اس جگہ صحیح غل بجالانے پر قادر ہو تو اس میں تہیہ درست نہیں ہے۔ یا مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ روایات اس صورت کو شامل نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تہیہ خونی میں بلاشبہ پورے وقت میں تہیہ سے بچنے کا راستہ نہ ہونے کی شرط معتبر نہیں ہے۔ اس کی دلیل اجماع اور عمومات تہیہ میں نہیں۔ اس لئے کہ اگر اس مسئلہ میں معتبر نہیں اور عمومات تہیہ مطلق اضطراب کو شامل ہیں۔ جو پورے وقت میں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی دلیل وہ خاص روایتیں ہیں جو تہیہ کی حالت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیتی ہیں۔ اور ان کو "پورے وقت میں مضطر ہونے" یا "پرل کرنا فرودار پر چل کر مل کرنے کے مترادف" ہے۔

اسی طرح اگر انسان دوسری جگہ صحیح غل بجالانے پر قادر ہو تب بھی مسجد بتی میں نماز ترک کرتے ہوئے تہیہ سے بچنا اور اپنے قافلہ میں جا کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بیہیری روایتوں میں سے بطور نمونہ ذیل میں چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ احمد بن ابی نصر زہلی امام رضا علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی میں نماز مغرب میں اہل تسنن کے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔ وہ لوگ اس قدر جلدی نماز پڑھتے ہیں کہ میں اذان و اقامت کہنے کے بغیر صرف "سورہ حمد" ان کے ساتھ پڑھ پاتا ہوں۔ یا میری نماز درست ہے۔ ۲۔ مولانا نے فرمایا کہ تمہارے لئے صرف "سورہ حمد" پڑھ لینا کافی ہے





مزدوری ہیں کہ جہاں ممکن ہو۔ اور تفتہ ایسی حالت میں ہو کہ جہاں انسان اسی وقت میں نقل مکان کرے بغیر تفتہ سے بچ سکتا ہو۔ چہرہ پہلی دور گفتوں میں قرأت کے اعتبار سے برکتور تفتہ کا نام لگا۔

تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ تفتہ سے بچنے کا راستہ کالانڈار زمان اور مکان کے اعتبار سے مزدوری نہیں ہے۔ چاہے تفتہ مولد روایات میں ہو یا تمام دوسرے موارد میں۔ اگرچہ اطلاعات تفتہ کو جو عقلا ضرورت تفتہ سے مقید میں اس چیز پر دلالت نہیں رکھتے۔

## چوتھا مسئلہ ۱۸۱

### محمور تفتہ ۱۸۱ — خوف شخصی

### ہے یا خوف نوعی

تفتہ میں خوف معتبر ہے۔ چاہے خوف کالان ہو یا شک۔ بلکہ اگر احتمال ضعیف ہی ہو لیکن عقلا کے نزدیک معتبر ہو۔ عرف عام میں تینوں صورتوں میں عنوان خوف صادق آتا ہے اگرچہ احتمال خوف قوی یا ضعیف ہو یا اس کے حکم کے متقادت ہونے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حتیٰ وانصاف سے کہ خوف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

### پہلی صورت ۱

کبھی تفتہ کرنے والے کو اپنی جان، مال، آبرو یا کسی ایسی چیز کا خوف ہوتا ہے جو اس سے وابستہ ہو۔ یا کسی ایسے شخص کے بارے میں خوف ہو سکتا ہے جو اس سے متعلق نہ ہو۔

### دوسری صورت ۱

اور کبھی اہل حق میں سے کسی ایسے شخص یا جماعت کے متضرر ہونے کا خوف ہو سکتا ہے کہ جو دشمنوں کے حصار میں ہو اور تفتہ ترک کرنے کی صورت میں ان پر سختی کئے جانے کا اندیشہ ہو۔

### پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت میں یعنی خوف شخصی کے موضوع میں بلاشبہ احکام تفتہ جاری ہوں گے۔ بلکہ صورت تفتہ کے کھلے مصداق میں سے ہے جس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں تفتہ کو سپر وغیرہ کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل بعض روایات میں کھلا حکم بیان ہوا ہے۔

۱۔ حدیث شرايع دين میں عیش نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے۔ حضرت نے فرمایا: تفتہ کدہ مار میں کسی کا فریاد یا صبی کا قتل جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ قاتل ہو یا مقصد فی الارض ہو۔ ..... البتہ ایسے آدمی کو بھی اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک تمہیں اپنی یا اپنے دوستوں کی جان کا خطرہ نہ ہو۔ یاد رکھو! کہ دارالتفتہ میں تفتہ کا استعمال واجب ہے۔ ا۔ ح ۲۱۔ باب ۲۴۔ ابواب مرابہ معروف۔

روایت سے ظاہر ہے کہ محمور تفتہ کے سلسلہ میں تعدد متیقن خوف شخصی ہے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تفتہ اختیار کرے کہیں مکینہ لوگوں سے محفوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ح ۲۷۔ باب ۲۳۔ ابواب مرابہ معروف۔

۳۔ تفسیر لام حسن عسکری علیہ السلام میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے

کو تفسیر مؤمن کے ان بہترین اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ ظالموں کو اپنے نفس کو اور اپنے  
بھائیوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ ..... اپنے بھائیوں کے حقوق کی لڑائی میں متیقن کے شریف  
ترین اعمال میں سے ہے۔

ابواب امر بالمعروف کے احکام میں باب میں اور بھی بہت سی روایات ہیں جو  
اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں جن میں تفسیر کو بھائیوں کے حقوق کی لڑائی کے مثل قرار دیا  
گیا ہے۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ تفسیر بھائیوں کے حقوق میں سے ایک حق ہو جس کی بنا پر  
اسے ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو اس لئے کہ تفسیر کے ذریعہ بھائیوں کے حقوق کی حفاظت واجب  
ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جس طرح اپنی جان اور اپنے حق کی حفاظت کے لئے تفسیر واجب  
ہے اسی طرح اپنے بھائی کے حق و جان کی حفاظت بھی اس کے ذریعہ واجب ہے۔  
اسی طرح وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جن کے مطابق ترک تفسیر اپنے کو ہلاکت میں  
مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح کی روایات بہت سی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح  
اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح ترک تفسیر کے ذریعہ اپنے بھائیوں کو بھی  
ہلاکت میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

## دوسری صورت کا حکم

تفسیر کرنے والے کو خود کوئی خطر نہ ہو مگر کسی دوسری جگہ کے عام شیعہ افراد کو اس  
کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا سخت اندیشہ ہو۔ مثال کے طور پر کسی مؤمن کے ہاں کسی

شعبہ کے کچھ غیر مذہب والے مہمان کے طور پر رہیں جبکہ اس شہر میں اس مؤمن کے رشتہ دار بھی  
رہتے ہوں۔ اگر وہ مؤمن ان غیروں سے تفسیر نہ کرے تو اس کے رشتہ داروں اور وہاں کے  
شیعوں کو نقصان پہنچنے کا خطر لاحق ہو جائے (احتمالی طور پر) متضرر ہونے والا ایک شخص  
ہو یا ایک جماعت ہو اس صورت میں بھی مین دلیلوں سے تفسیر جائز ہے۔

پھلی دلیل: ملاک تفسیر اور قاعدہ اہم و سہم کی رعایت ہے۔

دوسری دلیل: چون کہ ضرورت تفسیر کی متقاضی ہے لہذا تفسیر پر دلالت کرنے والی  
عام دلیلیں اس صورت کو بھی شامل ہیں۔

تیسری دلیل: تفسیر کی اکثر روایات (جن کو ذیل میں ہم بیان کر رہے ہیں) اس صورت  
بلکہ اس سے وسیع تر موارد پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

۱- تفسیر امام حسن حکمری علیہ السلام میں حسن ابن علی سے منقول ہے تفسیر یا عمل  
ہے جس کے ذریعہ پروردگار کسی قوم کی مشکلیں آسان کرتا ہے۔ تفسیر کرنے والے کو اس قوم  
کے اعمال کے برابر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ تفسیر کو ترک کر دینا اس قوم کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے  
لہذا جو شخص ایسے موقع پر تفسیر کو ترک کرے اس کا شمار اس قوم کو ہلاک کرنے والوں میں  
ہوگا۔

۲- شیخ طوسی کی مجلس میں ان کی اسناد کے ذریعہ دو سہم اہم سے مروی ہے کہ۔

”امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”وہ شخص اہم میں سے نہیں ہے جو کوئی خطر نہ ہونے کی صورت میں  
تفسیر کو اپنا شعار بنا کر اس شخص کو تحفظ نہ دے جو خطروں میں ہو۔“

اس روایت کا دائرہ عمل وسیع تر ہے۔ اس لئے کہ اس کی روشنی میں بطور حفظ مقدم  
بھی تفسیر جائز ہے۔ چاہے اس صورت میں کوئی خطر درپیش نہ ہو۔ چون اگر بطور حفظ مقدم  
انسان تفسیر کی عادت نہ دے تو ممکن ہے کہ موارد وجوب میں وہ تفسیر کی مخالفت کا مرتکب ہو جائے



## پانچواں مسئلہ:

### موارد وجوب میں تفتہ کی مخالفت

موارد وجوب میں تفتہ کی مخالفت بلاشبہ گناہ ہے۔ لیکن آیا جو عمل انجام دیا گیا ہے وہ صیغہ متصور ہو گیا یا نہیں؟ بطور مثال تفتہ کا قاضی ہے کہ نماز جماعت سے پرہیز جائے مگر امام جماعت کی بے عدالتی و عدم صلاحیت کے پیش نظر کوئی فرد کی نماز پڑھنے سے تفتہ کی مخالفت کرے یا اس کی نماز صیغہ ہوگی یا باطل؟ یا بعض مواقع پر درست ہوگی اور بعض تو پر باطل ہوگی؟

حضرت علامہ مرحوم شیخ انصاری تفصیل کے قائل ہیں۔ مرحوم کا بیان ہے کہ اگر عمل جس میں تفتہ کی مخالفت ہو رہی ہو ایسا ہر موجود عبادت کے ساتھ متحد ہو جیسے خاک شفا پر تفتہ کی مخالفت کرتے ہوئے سجدہ کرنا تو عمل باطل ہے۔

لیکن اگر عمل عبادت کے ساتھ متحد نہ ہو بلکہ عبادت کے علاوہ ہو جیسے جہاد یا تہذیب کی بنیاد یا تہذیب و تمدن واجب ہو وہاں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے "تو عمل باطل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں شریعت نے خاک شفا پر سجدہ کرنے سے روک دیا ہے جو عبادت یعنی سجدہ سے متحد ہے اور شریعت کی مخالفت حرام ہے۔ فعل حرام کے ذریعہ قرب الہی حاصل نہیں ہو سکتا لہذا عمل باطل ہے۔

اس کے برخلاف دوسری صورت میں فعل حرام ہاتھ باندھنا ہے جو ایک امر خارج ہے لہذا عبادت صحیح ہے۔ یہ شیخ صاحب کا نظریہ..... حلال کہ مسئلہ کا تعلق اس چیز

سے ہے یا تفتہ کی حقیقت کیلئے ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ اگر تفتہ بدل اضطراری ہیں اور ان کا ماسور بہ عمل واقعی کا بدل ہوتا ہے جبکہ کچھ حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ابدال اضطراری نہیں۔ اپنے ماسور بہ کوئی نفع واجب قرار دیتے ہیں۔

اگر ان کو ادا ماضطراری کی مانند تسلیم کر لیا جائے تو تفتہ کی مخالفت سے عمل باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ماسور بہ کو انجام نہیں دیا گیا ہے..... لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان کا ماسور بہ فی نفسہ واجب ہوتا ہے تو عمل فاسد نہیں ہوگا۔ البتہ مسئلہ جماع اور نہی میں اگر عبادت حرام کے ساتھ متحد ہو جائے اور ہم اس کے بطلان کے قائل ہو جائیں تو عمل فاسد ہوگا۔

## چھٹا مسئلہ:

### تفتہ کے بعد

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر تفتہ کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص تفتہ کی حالت میں وضو کرے اور ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد تفتہ کا جو ختم ہو جائے لیکن اس کا وضو بھی باقی ہو تو آیا اسباب تفتہ کے ختم ہوتے ہی وضو بھی بے کار ہو جائے گا یا جب تک نئے سرے سے وضو کی حاجت نہ ہو نماز پڑھنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی عقد یا ایضاً کا معاملہ تفتہ کی حالت میں انجام پائے تو آیا تفتہ کے بعد اس کا اثر باقی رہے گا یا نہیں؟

قاعدہ اولیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تفتہ کے بعد تمام موارد میں اس عمل کا اثر باقی نہیں رہے

گا مگر کسی خاص مورد میں کوئی دلیل موجود ہو۔ اگر دلیل نہ ہو تو تقیہ کے بعد عمل فاسد ہو جائیگا اگر کوئی اس کی صحت کا دعویٰ کرے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس دلیل بھی ہے یا نہیں۔

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ دلیل موجود ہے جو کبھی ادا مرخص ہیں اور کبھی

ادا مرخص۔

ادا مرخص وہ ہیں جو موارد تقیہ میں وارد ہوتے ہیں جیسے وضو کا حکم جس سے استفادہ ہوتا ہے کہ تقیہ کے بعد بھی وہ وضو کا گرفتار ثابت ہو سکتا ہے اور دوسرا وضو انجام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رفع حدث انتشار امر کے آثار میں سے ہے اور اس مورد میں وضو کے ذریعہ حدث مرتفع ہو چکا ہے لہذا ہر وہ مورد جس میں مثلاً وضو کا حکم موجود ہو اس میں وضو انجام دینے سے حدث رفع ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کی نظر میں ایسا کوئی مورد ہے کہ جس میں وضو کا امر موجود ہو اور اس کے انجام دینے سے حدث رفع نہ ہوتا ہو؟ دائم الحدث کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ وضو اس کے لئے صرف مبیع صلاۃ ہے وہ دائم الحدث ہونے کی وجہ سے ہے زیر کو منظور رفع نہیں ہے۔

تعبیر نکلا کہ جس مورد میں بھی بعض اسباب شرعیہ کے بارے میں تقیہ کے وقت خاص امر وارد ہوا ہو چاہے وہ امر وضو اور غسل کے مانند عبادات میں سے ہو یا نکاح اور طلاق کی طرح عقود و ایقاعات میں سے ہو۔ وہ امر مؤثر واقعی کے موجود ہونے کی دلیل ہے لہذا اس کے تمام اثرات مرتب ہوں گے۔ چاہے اسباب تقیہ موجود ہوں یا زائل ہو گئے ہوں۔

رہ گئیں وہ عام روایات جن کے مطابق ہر ضرورت کے وقت تقیہ جائز ہے۔

اور نیکو کے استعمال اور مزدوں پر مسح کرنے کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ بحثوں میں عرض ہو چکا ہے کہ ہر حال میں تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر چیز کا جواز اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ وضو کا جواز رفع حدث میں ہے۔ بیع و شراہ کا جواز اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جبکہ نتیجہ حصول ملکیت ہے اور طلاق کا جواز مرد و عورت میں جدائی کی علامت ہے۔

لیکن ان باتوں کے باوجود دونوں موارد میں اشکال ممکن ہے۔ عام روایتوں کے دلالت میں یہ اشکال ہے کہ ان سے جواز تکلیفی اور نفی حرمت مستفاد ہوتے ہیں۔ ..... جواز ضمنی ان سے سمجھ میں نہیں آتا۔ لہذا ان کے ذریعہ آثار و مفیدہ (جیسے عقود و ایقاعات) کی صحت پر استدلال بہت مشکل ہے۔

ادا مرخص میں مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری بحث کے موضوع کو شامل نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت ادا مرخص پر جیسی ہے۔ پانی اگر منیر ہو جائے تو وضو ختم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح تقیہ کے بعد یہ ادا مرخصی کا عدم ہو جاتا ہے۔

علاوہ بریں اہل نظر جانتے ہیں کہ تقیہ امر شرعی ہونے سے پہلے امر عقلی ہے اور عقلاً اسی وقت تک اس امر پر عمل کرتے ہیں جب تک تقیہ باقی ہو جہاں تقیہ کے اسباب زائل ہونے میں غلطی کے نزدیک یہ ادا مرخص ہو جاتے ہیں اور وہ تقیہ سے پہلے والے ادا مرخص اختیار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زوال تقیہ کے بعد ظرف تقیہ میں انجام دیئے گئے وضو یا غسل جیسے دیرپا اثر رکھنے والے عمل کا اثر باقی رہنا بہت مشکل ہے۔



## سوال مسئلہ:

آیا تقیہ واجب نفسی ہے

یا واجب غیری۔؟

موارد وجوب میں آیا تقیہ نفس نفس واجب ہے یا بطور مقدمہ حفظ نفوس و صیات دین

کے لئے واجب ہے؟

اولاً تقیہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مقدمہ کے طور پر بلا وجہ پیش آنے والے دینی یا دنیاوی ضرر کو ٹالنے کے لئے واجب ہے۔ دلیل عقلی بھی اس سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح دوسری دلیل جس کے بموجب ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ جان کو بچانے کے لئے تقیہ واجب ہے۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تقیہ اپنے اثر کے اعتبار سے واجب نفسی ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جو دلیلیں خوف کے وقت تقیہ پر دلالت کرتی ہیں ان کے عمومیت سے وجوب نفسی کا ظاہر ہوتا ہے چاہے ترک تقیہ سے نقصان ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو جو حفظ نفوس جس کو تقیہ کی علت قرار دیا جاتا ہے وہ اس کے لئے علت نہیں ہے بلکہ اس کا فلسفہ ہے۔ اسی لئے تارک تقیہ کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر لہم حسن عسکری کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے (ہماری ولایت یا ہم سے دوستی کے بعد تم پر سب سے بڑی ذمہ داری اپنے نفوس اور احوال اور معارف کی حفاظت کے لئے تقیہ استعمال کرنا اور اپنے ہم نوعوں کے حقوق ادا کرنا ہے اس کے علاوہ بے شک خدا بر گناہ کو بخش دے گا اور

ان کا حساب نہیں لے گا۔ وہ گنہگار تو فریضے تو ان سے سخت عذاب برداشت کرنے کے بعد ہی نجات مل پائے گی)۔

اسی طرح وہ روایتیں جو ترک تقیہ کو اپنے بھائیوں کے حقوق پامال کرنے کے مترادف قرار دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر تفسیر مژدہ میں علی بن حسین کا قول ہے۔ (خدا مومن کے تمام گناہوں کو بخش دے گا، دنیا و آخرت میں اسے پاک و پاکیزہ قرار دے گا مگر وہ گناہوں کے علاوہ۔ وہ دو گناہ ترک تقیہ اور اپنے بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا ہیں)۔

اس کے علاوہ ابن ادریس کسکس نے ایک روایت ہے جس کو علی بن محمد (دسویں امام) نے نقل کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام نے داؤد حمری سے فرمایا (اگر میں یہ کہوں کہ تارک تقیہ تارک ملاقا کے مانند ہے تو میں اپنی گھٹائی میں سہا ہوں) اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب نفسی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور یہ فعل تقیہ کی ضد ہے تقیہ کے لئے مقدمہ نہیں ہے۔ یہی جانتے ہیں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا بے فائدہ ہے۔ یہی ترک تقیہ بھی بے فائدہ ہے جو موجب عقاب اور باعث فسق ہے معلوم ہوا کہ تقیہ کا وجوب نفسی ہے۔

## اٹھواں مسئلہ:

تقیہ کی تیسری قسم۔

گزشتہ بحثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ تقیہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تقیہ خوئی۔ ۲۔ تقیہ تجبہ۔

پہلی قسم کو جان و مال، عزت و آبرو اور دین کے تحفظ کے لئے کام میں لایا جاتا ہے جب کہ دوسری قسم میں تہیہ سے غرض مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرنا، ان کے درمیان محبت اور مودت ایجاد کرنا اور ان کے اختلافات کو ختم کرنا ہے تاکہ ہمسلم کے دشمنوں کا مل کر مقابلہ کر سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ تہیہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کو کسی راز کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ حکم سیاسی نوعیت کا ہے نہ ایجاد محبت و مودت کے لئے ہے اور نہ ہی کسی خوف کی بنا پر بلکہ خالص سیاسی نقطہ نظر سے اسے حفظ مذہب کے لئے مشروعیت دی گئی ہے۔

وسائل میں اس کے لئے ایک باب مخصوص کیا گیا ہے جس پر دلالت کرنے والی چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد خزار ابو عبد اللہ علیہ السلام سے نقل ہیں۔ "حضرت علیہ السلام نے فرمایا جو ہماری مرضی کے برخلاف ہمارے راز کو آشکار کرے وہ گویا ہمارے حق کا منکر ہے۔"

۲۔ ابن ابی یعفور کا بیان ہے کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا "جو چار راز افشا کرے خدا اس کے ایمان کو سلب کر لیتا ہے۔"

اس موضوع میں اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جن کی روشنی میں عقیدہ حقوق

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۳۴۔ ابواب امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

۲۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳



اٹھایا تھا اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ ندا اے گی! ہاں لیکن تجھے یاد ہے کہ اس شخص نے تجھے پہلا زبان کید تو نے اس راز کی حفاظت نہیں کی اور اسے فاش کر دیا۔ فلاں ظالم شخص کو اس کی خبر ہو گئی اور اس ظالم نے اس شخص کو قتل کر دیا اس طرح تو اس کے قتل میں شریک ہوا۔ لہذا اس کے قتل میں یر تیرا حصہ ہے!

آریا یر ترک تفتیہ کی وہ قسم نہیں ہے جس کی بنا پر دوسرا ملک کا شکار ہوتا ہے۔ ۳۔ اسحاق بن عمار کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کے بعد فرمایا: "ذالک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذالک ببعاصوا وکانوا یعتدون" خدا کی قسم انہوں نے اپنے ہاتھوں اور تلواروں سے نبیوں کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کے رازوں کو فاش کیا جس کے نتیجہ میں وہ پکڑ لئے گئے اور انہیں ظلم و محصیت کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی روایات ایسی ہیں جو اس سرورِ مطلق کو ظاہر کرتی ہیں کہ راز کا تعلق ایسے عقائد سے ہے کہ جن کا فاش کر دینا عظیم نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ لہذا اس راز کو نقل کرنا تفتیہ کے منافی ہے چونکہ اس سے اپنی یاد دوسرے کی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے

پس ان روایات کے مضمون سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ یہ تفتیہ کی تیسری قسم نہیں ہے بلکہ ان ہی دو قسموں میں شامل ہے۔

## صمیمہ

مبحث النقیۃ

ان جانکم فاسقٌ بنیاً فَبَیْکُوا

انہم خویش نہر سہ طبعہ ۱۲ اشاعت ۲۱ عمر شمس ۱۳۱۰ میں الثانی من المائتین کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے جس کے رد کرنے کا سیل لبنایت آئی ذمہ دار ہے ایسے آج یہ مبحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے ناظرین کرام سے امید ہے کہ وہ اس کے ایک لکھ حروف پر نہایت غور و فکر سے نظر ڈالیں گے تاکہ کسی کا ذہن کے اخبار و کلمات کے قریب ہی کا موقع نہ آنے پائی وہ لوگوں انہم غالباً اس ام کے بیان کو نیکی منور نہیں ہے کہ جھوٹ ایک ایسی بڑی بھلاست ہے جسکو دنیا میں آج تک کسی انسان نے اچھا نہیں سمجھا اہل مذہب اور لامذہب اس سے نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ بت پرست بھی انکو نہایت بُرا جانتے ہیں جھوٹ بولنا کے نزدیک نہایت ذلیل کام ہے بقول سعدی سہ دروغ اسے برا درگوز نیسار کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

سیل:۔ بیشک ایسا ہی ہے لیکن دنیا اس مطلب کو کہہ سکتی ہے صرف فقرہ اشاعرہ اس مطلب کو نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کے نزدیک عقل کیسے کوئی حکم ہی نہیں تجویز کیا گیا جو کچھ ہے وہ نقل ہے اور وہ امر ہے جس میں شریک ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جسکی نیو عقل کے حکم پر واقع ہوئی ہو ورنہ اسکو آپ کی نقل سے کیا مطلب اور جب یہ ہے تو تم ہی خیال کر کے چپ ہو جاؤ کہ یہ وہ حکم ہے جو منقول ہے نیو عقل سے کیا عرض اور تمہارے مذہب نے تمہیں اس قابل کہاں رکھا ہے کہ عقل سے جہنم کر سکو پھر تمہیں یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ ایسی بات نہ کہو جو تمہارے مذہب کی ادم ہو کیونکہ جھوٹ کے سوا اور کوئی چیز تمہاری نصرت نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم اس مضمون میں آئندہ اس مطلب کے چہرہ سے پردہ ہٹائیں گے مدبر چونکہ مذہب کے راستوں سے نادان ہے اور وہ اس مطلب کو نہیں جانتا کہ اس کے مذہب کے بڑے سے بڑے عالموں نے کذب صریح کی اجازت دی رکھی ہی نہیں تو وہ کیوں خلاف کذب پر کمر باندھنا چاہتا ہے۔ انہم جن لوگوں کے پاس جاتا ہے اگرچہ انہیں سے

اگر تو مدیر می کی طرح مذہب نامد میں لیکن بعض ایسے بھی ہیں جنکو نقد سخن کا طریقہ معلوم ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کے بیچے کیا چیز حق ہے میں مدیر کو اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ شرح شہادہ و نظائر حموی کو بغور دیکھے تو اسے اس کتاب میں یہ عبارت نظر آئے گی۔

فی شرح البیہنی البخاری فی باب خلاصہ ترجمہ کلام یہ ہے کہ شرح یعنی جو صحیح بخاری کے متعلق ہے اس میں حدیث شرع الملک من الحق فی حدیث قبلیہ میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ ظالم کے پیچھے کسی چیز کے نکالنے قیامیہ عن اللیث بن سعدا کے لیے جیلا جائز ہیں بلکہ جب بات کا علم ہو جائے کہ بغیر جھوٹ خلاصی نامکون ہے نصیب فیہ اذیہ حدیث بحمل توجہوت یون بھی جائز ہوگا یا نہ ہوگا یہ بات کھلا ہو اسید جھوٹ جائز ہو جائیگا اور فی ظہر بن الظلمہ بن اذہلم کہ بھی یہ امر کی جھوٹ اس وقت واجب ہو جائیگا اور یہ وجوب کذب ایسا ہے جیسے لا یخلص للکذیب جلا الذل کذب کل عدا کا اتفاق ہے جب اس جھوٹ سے کسی نبی کی نجات ہوتی ہو یا کسی دلی امر کی توجہت بعض تصور کی خلاصی ہوتی ہو اور وہ دست ظالم سے جو اسکی قتل کا ارادہ رکھتا ہو رہا ہو سکتا بالاتفاق لگوئی نہیالوئی یا اور اسلام دالے اپنے دشمنوں سے اس جھوٹ کی وجہ سے بچ سکتی ہوں تو ممکن یہ قتلہ و قتلہ المسلمین من ہر حالت میں یہ سپید جھوٹ ہونا واجب ہو جائیگا اور فقہائے اسلام نے کہتے مدد ہم دقتی الفقہاء و المطلب کہ اگر کوئی ظالم کسی انسان کی امانت کسی سے غصب کرنے کیلئے مانگے تو اس شخص کو ظالم و دینہ انسان لیا فقہاء واجب ہوگا کہ وہ جھوٹ بولے اور اس امانت کے جوڑ کا انکار کر دے اور کہے کہ مجھے غصب و جلا کا ارادہ کذب ہے اس امانت کا مقام معلوم نہیں انتھی۔

انہ لا یعلم منہا انتھی۔

کیونکہ جناب مدیر صاحب یہ عبارت آپ کے اساطین مذہب کی نظر اقدس سے گزری تھی یا نہیں اگر نہیں گزری تو بندہ نے نظر مبارک کے سامنے پیش کر دی صرف جھوٹ بولنے کا جواز ہی اس میں نہیں ہے بلکہ وجوب کذب ہر جگہ بھی مذکور ہے۔ پھر اتو جناب اپنی عبارتیں اس قول کے سامنے دوہرا دیجئے کہ کہہ ہی کہہ دیجئے کہ کتب ہے ایسے مذہب پر جس میں جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں بلکہ قاصد سمجھا گیا حضرت ابو بکر نے جو حدیث سیدہ سے ذکر کے حاصل کرنے کیلئے سنائی تھی وہ اسی جیلہ برقیونی

نہیں تھی ممکن ہے کہ العیاذ باللہ اہلبیت کو ظلمہ میں سے خیال کیا ہو اور ذکر کا سہ لینا کسی جیلہ سے واجب سمجھا ہو اور کذب ہر جگہ کے قائل ہو گئے ہوں تو اس وقت انکی لے ایسی حدیث کا گروہ دینا واجب ہو گیا ہو تو پھر ایسی حدیث کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے اور مجھے ایسا کہنے کا موقع ایسے زیادہ ملا کہ حضرت ابو بکر نے جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کی تکذیب ضرور کی چاہے انہوں نے میراث پدر کا دعویٰ کیا ہو یا سیدہ ذکر کا دعویٰ کیا ہو دونوں صورتوں میں تکذیب ضرور کی اور جب تک تکذیب صحیح ہو اسکا ظالم ہونا صحیح ہے کم سے کم اپنے نفس کا ظالم ایسا شخص ضرور ہوگا پھر کیا دلیل اس بات پر ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کذب ہر جگہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ یوہیں متاداعی قاضی خان میں مرقوم ہے۔

رجل دعاء الامیر لیسئل من اشیاء ان شخص ترجمہ یہ ہے کہ کسی مرد کو میرزا فرما کر دالے اسلئے بلایا کہ اس سے حکم بایوافق الشرع یعصیہ مکر وہ چند چیزوں کو پوچھے اگر یہ شخص موافق شرع جواب دے تو اسے کوئی نیکو فائدہ لائیتی لہ ان حکم بایا لعت الحق صدمہ ہو جائیگا ایسے شخص کیلئے یہ امر سزاوار نہیں کہ وہ مخالف شرع ہذا ذکا ان لایحاف القتل علی نفسہ ولا کوئی بات کہے جب تک جیلہ سے اپنے قتل ہو جائیگا یا اپنے کسی عضو کے اتلا ت عضو ولا یحاف علی مالہ فان تلف ہو جائیگا اندیشہ نہوار نہ اپنے مال کا خوف ہو لیکن اگر جان مال کا خوف ہو یا کسی عضو کے تلف ہو جائیگا خطرہ ہو تو پھر شرع کے خلاف کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فتادائی قاضی خان چھپا ہوا ہر جگہ ملتا ہے ملاحظہ ہو جھوٹ بولنا تو خیر جیسا ہے ویسا ہے لیکن شرع کے خلاف کہنے کی بھی جو نزہت مذہب میں موجود ہے جس سے بالاتر کوئی جھوٹ ہو نہیں سکتا پھر اب اپنے مذہب کے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے۔

اب یہاں ایک نظر فتح الباری پر بھی جناب کو ڈالنا چاہیے وہاں ابن حجر نے یہ قول نقل کیا ہے قال ابن ابطال ابنا لابن یحییٰ بن ابطال نے ابن المذکر کے اتباع کی جہت سے کہا ہے کہ تمام فقہاء اسلام کا المذکر اجماعاً علی ان بن لکرو اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے یا نہ ہو کہ علی الکفر حق فی نفسہ اسے قتل ہو جائیگا خوف ہو اس حالت میں وہ کہ ظاہر کرے دنا خلیک اسکا دنا



التعلیٰ فلفل و قلابه مطلق بالاطمان ایان سے مطمئن ہو تو اسپر ہرگز کافر ہونے کا حکم نہ کیا جائیگا اور نہ اسکی  
انہ لا نکلم علیہ بالکفر واللہ بینہ نہ زدہ اس سے علحدہ ہوگی ہاں صرف محمد بن حسن نے اس اجماع کی نفی  
زوجہ الامیر بن الحسن فقال لہا کی ہے دہکتے ہیں کہ انظار کفر کرنے والا مرتد ہو جائیگا اور اسکی زوجہ اسے  
اظہار کفر صلوٰۃ و نذرانہ دانت منہ لہا علحدہ ہو جائیگی اگرچہ وہ باطن میں مسلمان ہی کیوں نہ ہو یہ ایک یسافلو  
و لو کان فی الباطن مسلماناں ہے کہ اسکا نقل ہی کر دینا کافی ہے نہ کہ نیکی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ظاہر  
وہ قول نبی حکایتہ عن علی بن النضر کہ یہ قول اعلیٰ دلیلوں کے منافی ہے۔

ابنک مدیر کو اس بات کا ردنا تھا کہ لوگ جھوٹے پونے کو جانزیکے دیتے ہیں اتنے قابل اٹکے آنسو نہ ہیں  
کیونکہ کفر کے اظہار کا جو ازمی اسکے مذہب میں سنا ہی دیا۔ جب میں یہاں تک تحریر کر چکا تو اب جناب کی  
تحریر کے چسپاں ہونیکا موقع ہے وہ ہونگا۔

لہذا جس مذہب میں جھوٹ بولنا اعلیٰ ترین عبادت قرار دیا گیا ہو اس مذہب کے باطل  
ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے اور اس مذہب کے لوگ اگر کسی بات کی خبر دیں کوئی روت  
بیان کریں اسپر کون اعتبار کر سکتا ہے ؟

اسی وجہ سے حضرت عثمان کی بات کا اعتبار نہ مدینہ کے صحابیوں نے کیا نہ اہل مصر نے کیونکہ پہلی مرتبہ  
انہوں نے توبہ کی کہ ایسی حرکات نہ کروں گا تو اہل مصر پلٹ گئے کہ شاید اب یہ ایسی حرکتیں کریں  
انکو کیا معلوم تھا کہ انہار توبہ فقط لوگوں کے دہیں کر دینے کیلئے ہے حقیقت میں وہ کوئی چیز نہیں ہے  
جنا پھر مورخ طبری اور دیگر مورخین قطار ازہیں مگر یہاں صرف طبری کی روایت کو نقل کرتا ہوں جو  
عبرت کیلئے کافی ہے۔

و کتب عثمان بن عبد اللہ بن سعید  
بن ابی سرح عالمہ علی مصر صرح تاج  
الناس عندہم انہا ثواب کتاب  
فی الذین شخصوا من مصر و کانوا  
مخلص ترجمہ ہوا کہ حضرت عثمان نے اپنے عامل عبداللہ بن سعید بن  
ابی سرح کو جو مصر کا فرماندار تھا لکھا اسوقت جب مصر کے لوگ مطلق  
ہو کر مدینہ سے مصر کی جانب پلٹ رہے تھے اور یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ  
حضرت عثمان نے توبہ کر لی اب وہ آئندہ اپنی معمولی حرکتوں سے باز رہیں گے

اشد اہل الامصار علیہ اباعد خطا کہ مضمون یہ تھا کہ اباعد فلاں اور فلاں اہل مصر کو دیکھنا انکو قتل کر دینا  
فانظر فلاں و فلاں فاحرب جب وہ اہل مصر میں پچھلے پچھلے جانیں اور فلاں فلاں کو یہ سزا دینا اور  
اعتنا قہم ذاتہ موا علیک فانظر یہ سزا دینا انہیں سے کچھ لوگ رسول اللہ کے صحابی تھے اور بعض لوگ انہیں  
فلاں و فلاں ذاتہ قہم بکذا و کذا تابعین میں سے تھے نہ نام لکھ کر حضرت عثمان نے ابوالاعور بن سفیان سلمیٰ کو دیا  
نہم نفر من اصحاب رسول اللہ اور انہیں پر اسکو سوار کر کے حکم دیا کہ مصر جائے اور اتنی قہم لے جائے کہ وہ  
سلمیٰ اللہ علیہ وسلم و نہم قوم من لوگ جو مصر پلٹ کر جا رہے ہیں مصر میں نہ پونچھے پائیں اتفاق کی بات کہ  
التابعین فلکان رسولہ نے راہ کے کسی حصہ میں ابوالاعور سے امداد لوگوں سے (جنگے باب میں سزا میں  
ذکر ابوالاعور بن سفیان تجوزیکر لگی تھیں) نہ بھیجے ہو گئی اُن لوگوں نے ابوالاعور سے پوچھا کہ کہاں  
اسلمی حملہ عثمان علی تل لہ قالوا جاتے ہو اسے کہا مصر جاتا ہوں ابوالاعور کے ساتھ ایک شامی بھی موجود تھا جو  
لہل معک کتاب قال لا خولانی قتالین ابوالاعور کو حضرت عثمان کے اونٹ پر و کھمکان لوگوں نے  
قالوا قم ارسلت قال لا علم لہ قالوا پوچھا کہ کوئی خط تھا اسے ساتھ ہے ابوالاعور نے کہا نہیں کوئی خط میرے ساتھ  
لیس معک کتاب لا علم لہ کہا با نہیں انہوں نے کہا آخر کس کام کیلئے بھیجے گئے ہو ابوالاعور نے جواب دیا کہ  
ارسلت ان امرک لمریہ فغشود مجھے معلوم نہیں تب انہوں نے کہا کہ نہ تیرے پاس خط ہے نہ تجھے اسبات کا  
فوجد و امرک لہ ابی اداؤۃ یت علم ہے کہ تو کس کام کیلئے بھیجا گیا ہے تیرا معاملہ تو شک پیدا کرتا ہے پیکے  
فخطروانی الکتاب فدانہ قتل انہوں نے ابوالاعور کی ناشی لینا شروع کر دی تو ایک خشک پانی کے  
بعضہم عقوبۃ بعضہم فی انفسہم برتن میں انکو ایک خط ملا خط کو کھولا کھول کے پڑا تو انہیں نظر پڑا کہ انہیں  
واموالہم فلما راؤ اذولت جبوا سے بعض کے قتل کا حکم ہے بعضوں کیلئے مال کے سزا تجوز کر لگی ہے بعضوں  
لللمدینۃ فبلغ الناس رجوعہم کے لیے جان کی سزا مزموم ہے جب اُن پٹے ہوئی لوگوں نے رتوبہ کا یہ حال  
والذی کان من امرہم فہرجوا ان دیکھا تو وہ مدینہ کی طرف پھر پلٹ پڑے لوگوں کو خبر معلوم ہوئی کہ وہ  
الافاق کلہا و ثارہ اہل پلٹ آئے اور جو راہ میں تھے گزرا تھا اسکی خبر بھی یہی تھی تو سب لوگ  
ہرافق سے پٹے اور مدینہ والوں میں پھر جوش پیدا ہو گیا۔



پھر اس کے بعد ہی ظہری نے یہ روایت لکھی ہے۔

حدیث جعفر قال حدثنا عمرو وعلی  
قالا حدثنا حسین عن ابیہ عن محمد بن  
السائب الکلبی قال انما رآہ اہل مصر  
الی عثمان بعد انصرافہ عنہ اند اور کرم  
غلام عثمان علی بن ابی حمزہ عن ابی ہریرہ  
ان یقول یحکم وان یصلی بک بعض فلما  
اتوا عثمان قالوا ابداء غلامک قال غلامی  
انطلق بک عن علی قال واما غلامک الی فخذہ  
بغیر امری قالوا انا غلامک قال فخذہ

کے ملاحظہ فرمائیں کہ تو یہ میں جھوٹ پھر قرشادہ کا انکار خط میں جھوٹ پھر حضرت عثمان کے کبریا پر  
غلام کے جانے میں اونٹ کے لینے میں مہر کے گننے میں۔ آخر آپ اسے دروغ کہتے ہیں یا تفسیر کچھ فرمائیے تو  
حضرت عثمان کے حالات ہیں جو جملہ خلفائے راشدین ہیں کوئی اور معمولی آدمی نہیں ہے اور اگر  
اس میں صریح روایت دیکھنا ہو تو وہ بھی حاضر ہے جو اسی کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

حدیث جعفر قال حدثنا عمرو وعلی  
قالا حدثنا حسین عن ابیہ عن محمد بن  
السائب الکلبی قال انما رآہ اہل مصر  
الی عثمان بعد انصرافہ عنہ اند اور کرم  
غلام عثمان علی بن ابی حمزہ عن ابی ہریرہ  
ان یقول یحکم وان یصلی بک بعض فلما  
اتوا عثمان قالوا ابداء غلامک قال غلامی  
انطلق بک عن علی قال واما غلامک الی فخذہ  
بغیر امری قالوا انا غلامک قال فخذہ

نہم حتی دخل بہ علیہ فلم یرو  
علیہ بشیئا فامر بہ فاخرج من  
الدار وکان اہل مصر الذین  
ساروا الی عثمان ستمائزہ رجل  
علی الرلیۃ الوتہ لہا روس  
ارلیۃ مع کل رجل معہم لواء  
وکان جماع امرہم حیثما الی عمرو  
بن بدیل بن ورقاۃ الخزرجی  
وکان من اصحاب النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم الی عبدالرحمان  
بن عدس التیمی نکان فیما  
کتبوا الیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم  
اما بعد فاعلم ان اللہ ما یرالقیوم  
حتی ینیر واما باہم فاشہد  
اللہ ثم اللہ اللہ فاعلم ان اللہ  
وینافا ستم انیاء و اخرۃ  
ولا تنس نصیبک و الاخرۃ  
فلا تموت لک۔ الی بنا وعلیہم  
اتوا اللہ فخذہ جانی اللہ  
نرضی وانا لن نعیش سیوفنا  
عن عوا نقشا حتی اتینا منک

بدیل بن ورقا، خراسانی اور عبدالرحمن بن عدس کی جانب تھے اور عمر بن بدیل  
جناب رسالت آج علی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے ان لوگوں نے  
جو خط لکھا تھا اسکا یہ مضمون تھا۔ بسم اللہ کے بعد لکھا تھا کہ تمہیں معلوم رہنا چاہیے  
کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تغیر نہیں  
نہ کریں دیکھو خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو پھر ہم کہتے ہیں کہ خدا سے ڈرو خدا  
ڈرو کیونکہ تم دنیا میں ہو آخرت کو بھی اس کے ساتھ لانا اور اپنے آخرت کے حصہ کو  
جو دو نہیں ورنہ دنیا بھی تمہارے لیے گوارا ہوگی اور یہ بھی جانتے ہو کہ خدا کی  
قسم ہم خدا ہی کیلئے غضبناک ہوتے ہیں اور خدا ہی کیلئے راضی ہوتے ہیں اور  
وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عبدالرحمان بن عدس التیمی نکان فیما  
کتبوا الیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد فاعلم ان اللہ ما یرالقیوم  
حتی ینیر واما باہم فاشہد اللہ ثم اللہ اللہ فاعلم ان اللہ وینافا ستم انیاء و اخرۃ  
ولا تنس نصیبک و الاخرۃ فلا تموت لک۔ الی بنا وعلیہم اتوا اللہ فخذہ جانی اللہ  
نرضی وانا لن نعیش سیوفنا عن عوا نقشا حتی اتینا منک



تو یہ حضرت اوسمانہ علیہ السلام نے جلیہ جلیہ فرما دیا کہ حضرت علی بن ابی طالب کو  
 مقلد تھا کہ تفسیق ایک دانشمند  
 عزیز فاضل و السلام کہ بل ہل  
 المدینہ الیٰ جنید عروانی التوبہ  
 دیکھو جن و قیس مومن رہا بلکہ ایک سوا  
 عنہ اہل حقیتلوہ او عظیمہ بابر  
 من جن شد قدامت القل شاور  
 بطنائہ و اہل بیتہ نقال ہم قد منعت  
 ان قوم با قدر اتم فخرنا شاور  
 امیر ان یسر الی علی بن ابی طالب  
 فی طلب امیر ان یرد ہم مشر و عظیم  
 مایہ ہم لبطا و حق مایہ امدادہ  
 نقال ان القوم من یقبلوا تامل  
 وہی علی خدا و دکان بنی فی قد حسم  
 الاولیٰ مالکان فتنی عظیم و زکات طوفی  
 الوفا بہ نقال مروان بن الحکم  
 یا امیر المؤمنین مقاربتہم حق تعالیٰ شل  
 من مکارہم علی العزب فاعظم ہما  
 سلوک و طاوہم ہما طاوہم لوک  
 فانہم لہو علیک فلا عہد ہم ذل  
 الی علی فدما جہا جہا قال یا اہل

خلاصہ کیا کہ کر ممکن ہے سب سے اس بات کا مشورہ دیا کہ حضرت علی بن ابی طالب کو  
 بلوای اور ان سے اس بات کی خواہش کیجیے کہ وہ لوگوں کو آپ کے بازو نہیں  
 اور وہ ان لوگوں سے انکی مرضی کے موافق وعدہ کر کے انکو ملال دیں یہاں تک  
 کہ آپ کے اہل و انصار رجب ہو جائیں حضرت عثمان نے فرمایا کہ اب وہ وقت  
 نہیں رہا کہ لوگ لیت و دے سے مرضی ہو جائیں اور میرا عہد و بیان انکی  
 نظر میں کمزور ہے پتہ مرتبہ جب یہ لوگ آئے تھے تو ایسا ہی کچھ کیا تھا اب اگر  
 میں عہد و بیان کر کے ان سے وعدہ کروں گا تو یہ لوگ مجھے وفائے عہد کا  
 اتفاق کریں گے مروان بن الحکم نے کہا یا امیر المؤمنین ان کے موافق رفتار کرنا بہت  
 کمزور ہے کہ آپ کو تو حاصل ہوا اس اہل بیت سے کہ وہ لوگ قریب ہو کر زیادہ ہوتے  
 جائیں لہذا مناسب ہے کہ خبر بات کو یہ لوگ مانگیں وہ انکے موافق دی جائے  
 اور انکو اس وقت تک ٹالنا چاہیے جب تک وہ مل سکیں کہ یہ لوگ باغی نہ  
 اور باغیوں سے عہد کی وفا کسی جب یہ رائے قرار پائی تو عثمان نے حضرت علی کو  
 بلوایا جبکہ پتہ تشریف لائے تو عثمان نے یوں کہنا شروع کیا آپ دیکھو کچھ  
 ان لوگوں نے میرے ساتھ سلوک کیا اگرچہ ہیں اور یہ بھی آپ کے علم میں ہے  
 کہ میں ان کے ساتھ کیا کر اور اب مجھے اپنے قتل ہونے سے اطمینان نہیں ہے  
 لہذا ان کو کسی طرح واپس کر دے کہ جو کہ میں خدا کو ضمان دیتا ہوں کہ میں  
 ہر چیز کو جو انکو ناپسند ہے چھوڑ کر انکو خوش کر دوں گا اور حق انکو ضرور دے گا  
 چاہے وہ میرے نفس سے متعلق ہو یا میرے غیر سے متعلق ہو یا میں ضرور کرے گا  
 چاہے میری جان جاتی رہے حضرت امیر المؤمنین نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں کو  
 آپ کے قتل کر دینا کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کی عدل و داد کی ضرورت ہے  
 اور مجھے تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہ لوگ جب تک کہ ان کی مرضی کے موافق کام

انہ دکان من الناس ما قدرت  
 دکان بنی ما قدرت دست آہنہم  
 علی قتلہ نادر دوم غنی خان اسماء  
 عزوجل ان اہلہم من کل بائیں ہل  
 وان اعظمہم الحق من نفسی و من  
 غیرہ و انکان فی ذلک سکتا  
 نقال علی الناس علی حد لک  
 اجمع منہم علی ذلک و ان لاری  
 تو مالہ برضون الابالرضا و کنت  
 اعطیتہ فی قد تم لادی جہا لک  
 من جن عن جمیع ما نقوا فرد ہم  
 عنک ثم لعت لم یثقی من ذلک  
 فلا تغری بہ المرحۃ فی خالی ہم  
 علیہ علی نقال نعمنا عظیم نواشد  
 لانین ہم فخر علی الی الناس نقال  
 ایہ الناس انکم تاملتہم حق نقد  
 اعطیتہ ان جنم قد عم انہ  
 منہم من نفسہ من غیر ذلک  
 عن جمیع ما یکرہون فاقبلوا منہ  
 و کدوا علیہ نقال الناس تلبنا  
 فاستوفی منہم فانا نارا شد

انہ کیا جائیگا راضی نہ ہونگے اور پتہ ہی جب یہ لوگ آئے تھے تو خدا سے عہد کیا تھا  
 کہ تم تمام وہ باتیں ترک کرو گے جن سے ان لوگوں کو برکت ہے اور ای بنا پر رہے  
 ان لوگوں کو پٹنا دیا تھا مگر تھے اپنے عہدوں پر وفا نہ کی اب اس مرتبہ مجھے دیکھو  
 دنیا کیوں نہیں اس مرتبہ انکا حق ضرور دلوں گا حضرت عثمان نے کہا بل ہل  
 آپ انکو حق ضرور دلوای اور خدا کی قسم میں جو کچھ کہوں گا اسکے ساتھ وفا کر دوں گا  
 جب امیر المؤمنین علی نے یہ سنا تو آپ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور  
 فرمایا اے گروہ مردم تم تو حق طلب حق ہو اور حق ہی مانگتا ہے ہو اچھا نصیب  
 حق دیا گیا کیونکہ عثمان کا خیال ہے کہ وہ تمہارے باب میں انصاف کرے گی چاہے خود  
 انکے نفس سے وہ انصاف متعلق ہو یا انکے غیر سے اور تمام ان باتوں کو چھوڑ دیجیے  
 جو تمہیں ناپسند ہیں اچھا تو اب اس وعدہ کو ان سے قبول کرو اور مذکر کو نعم کر دو  
 لوگوں نے کہا کہ میں منظور ہے آپ ان سے ان عہدوں کو مضبوط کر کے خوب چمکیں  
 یہی پروہی کر بیجیے کہ خدا کی قسم ہم نقد کئے سے خوش ہوں گے جب تک کہ کام قوں گے  
 سوائے نہ کیا جائیگا امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا اے یہ تمہارے لیے کیا جائیگا  
 اس کے بعد آپ عثمان کے پاس تشریف لائے اور ساری سرگزشت بیان کی عثمان نے  
 کہا کہ اچھا ان باتوں کے برابر کر کے یہ میرے اور انکے درمیان میں ایک تدار  
 دیجیے جس میں تمام انتظام پورا کر سکوں کیونکہ یہ بات میرے امکان سے باہر ہے کہ  
 میں ایک ہی دن میں تمام انتظامات انکی مرضی کے موافق کر سکوں امیر المؤمنین نے  
 فرمایا کہ جو انتظامات مدینہ کے متعلق ہیں انہیں تو ہمت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ  
 وہ سب باتیں میں سامنے موجود ہیں ہاں وہ انتظامات جو مدینہ کے باہر ہیں انہیں کو  
 اتنی ہمت دینی چاہیے جتنے عرصہ میں تمہارا حکم ہاں تک پہنچے گا اے یہ تو بے فکر  
 مدینہ ہی میں مجھے مدینہ ہی کے انتظام کیلئے تین دن ملنے چاہیے ہیں امیر المؤمنین نے کہا



لازمی بقول دون فعل فقال لم  
 اچھا جتر ہے یہ کہہ سکے آپ لوگوں پاس تشریف لائے اور اُن سے ہم واقعات  
 بیان کر دیے اور آپ لوگوں کے درمیان میں اور عثمان کے درمیان میں ایک تحریر  
 فقال عثمان ان ضرب بنی و بنیم اجل  
 لکھی جس میں عثمان کو تین دن کی مہلت دی گئی اس امر کے یہ کہہ کر غلط کہہ دو  
 کیونکہ فیہ مسئلہ فانی لا اقدر علی ونا  
 کر دیئے اور ہر عامل کو جو قوم کی مرضی کے موافق ہو معزول کر دیئے پھر عثمان پر  
 کر ہوا لیوم واحد قال لہ علی باجھر  
 برسے سے بڑا مدد و مینا تھا جو خدا نے اپنے کسی بندے سے لیا ہو تحریر کیا گیا  
 بالمدنیۃ فلا اهل فیہ و ما غاب فاعلم  
 اور تمام ہرجا برین و انصار کی اس پر گواہیاں لکھی گئیں اس عہد نامہ کی تحریر کے  
 وصول لمرک قال نعم وکن اعلیٰ فیما  
 بعد لوگوں نے تو عرض عثمان سے دست کشی کی اور اس وقت تک کے یہ جب تک  
 بالمدنیۃ ثلثۃ ایام قال علی نعم فخرج الی  
 وہ ان عہدوں پر وفا کرین لوگ چلے گئے۔ اور ہر تو وہ لوگ بیٹے اور حضرت  
 الناس فخرجہم بزلک کتب بنیم  
 عثمان نے جنگ کیلئے آمادگی شروع کر دی اور سلاح جنگ مہیا کرنا شروع  
 و بن عثمان کتا با اجل فی ثلثۃ ایام  
 کر دیا جس کے جس جو عہد نامہ ہو سکتے انکو بھیج کر کے ایک بڑا لشکر  
 یہ فک غلطہ و لیزل کل عامل کر یہ  
 بنا یا جب مہلت کے قیون دن گزر گئے اور حضرت عثمان اپنے حالات پر ثابت  
 ثم اخذ علیہ لکتاب بنیم ما اقدار  
 قلم ہے نہ کوئی جدید انتظام کیا نہ کسی عامل کو معزول کیا تو اب لوگوں میں  
 علی احسن خاتمہ بن عہد و مینا  
 سخت جوش پیدا ہو گیا اور عہد بن خرم انصاری نے مقام ذی شخب میں  
 و اشہد علیہ ناسا من وجوہ المہاجرین  
 آ کر معزولین کو مصیبت واقعہ سے اطلاع دی اور پھر مصر والوں کے ساتھ  
 والا انصار کثرت المسلمون عنہ و  
 مدینہ راہیں آیا ان لوگوں نے عثمان پاس یہ پیام بھیجا کہ کیا ہم تمہاری جہ  
 جیو الی ان فیہ لہما اعطاهم من  
 کی امید پر یہاں سے نہیں چلے تھے کیا تھے خدا سے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ  
 فیل و شہب للقتال و لیست عندہ  
 ہم اپنے تمام گہرہ باتین چھوڑ دیئے عثمان نے مکلو ایسی کہاں ایسا ضرور  
 باسلاح و قذرا کان اتخذ جند غلبا  
 ہوا تھا یہی دعویٰ بر قائم ہوں لوگوں نے کہا کہ اگر تم اسی عہد و پیمان پر  
 من رقیق خمس فلما مضت الیہ  
 قائم ہو تو وہ خط کو لے کر آیا جو پتہ تمہاری تادمہ کے ساتھ پایا اور جیسے تھے  
 الشہد و ہر معنی حلالہ لم ینیر شیدا  
 عامل مصر کے نام لکھا تھا کہ کہہ دیتے وہ خط بھیجا ہے نہ مجھے اس خط کا کوئی علم  
 ما کہ یہ وہم ہزل عالماتار بہ  
 ہے لوگوں نے کہا کہ تمہارا قاصد تمہارے اونٹ پر اس خط کو لیکر آیا جو تمہارا

الناس و نخرجہم عن حرم الانصار حتی اتی المصرون  
 کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اس پر تمہاری سر  
 و ہم بذی شخب فاجری و نخرجہم عن حرم المصرون  
 موجود ہے اس نصیح و مہربان عبادت کے جواب میں  
 یارسولہ الی عثمان الم انفا رکنا علی اکابر عمت ان کتاب  
 حضرت عثمان نے بیان فرمایا کہ اونٹ میرا چھوڑا لیگیا  
 من احد انک و راجع عما کر ہنا منک و اعطینا علی کاتب  
 ہے رگھیا خط تو ممکن ہے کہ کسی کاتب نے جسکا  
 عندہ شد و مینا قہالی علی اناعلیٰ ذک قال فماذا الکتاب  
 خط میرے کاتب کے خط کے مشابہ ہو گیا ہو کیونکہ  
 الذی وجدنا مع رسولک کتبہ الی انما قال انما  
 ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے رگھیا ہر  
 و الی علم ما تقولون قالو ابریک علی جملک کتب کاتبک  
 ممکن ہے کہ وہ بنا لیگی ہو لوگوں نے اس کے جواب میں کہا  
 علیہ خاتمک قال اما یجوز فسرورق و قد شہد اخذ الخط  
 کہ ایسی ہی ہم جلدی نہیں کرتے اگر تمہارا ان باتوں کا اتمام  
 و اما انما نرنا متش علیہ تا وانا لافعل علی شان کنا قد  
 قلم ہو چکا اپنے فاسق عاملوں کو معزول کر دیا اور  
 اقتضا ک عزل عما کنا لفساق و تم علیہا بن لیم  
 ان لوگوں کو منسوب کر دیا ہمارے جان و مال کی  
 علی ہونا و اسوالنا و اردد علیہا مظالمنا قال عثمان  
 حفاظت میں مشکوک تھوں اور ہمارے مظالم کو  
 ارانی اذ انی شی ان کنت اقل من ہو تیم و اعزل  
 ہمیں واپس دو تو عثمان نے کہا کہ پھر میں تو کچھ رہا ہی  
 من کر تیم الامرا ذال امر کم۔  
 نہیں جب میں تمہاری مرضی کے موافق عزل و  
 نصب کروں۔

(اب کہجے) اب میرا نیم شمار کرے کہ کتنے جھوٹ استعمال کئے گئے اور صرف بندوں ہی سے نہیں  
 بلکہ خدا سے عہد کر کے پوئے گئے بعض انہیں بالکل بلا ضرورت پوئے گئے قتل کا اندیشہ اسی جھوٹ  
 میں تھا صدق میں ہرگز تھا لیکن پامردی اسکا نام ہے کہ عہد و مینا سب موعود دیکھتے رہے  
 لیکن حضرت خلافت تاجی ہرگز کج کو قابل عمل نہ سمجھا یہاں تک انجام کار جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔  
 اچھا اب آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ یہ آپ کے عوام کا فعل تھا بلکہ ایک خلیفہ رشید کا فعل تھا  
 جسکی اطاعت ہر حال آپکو واجب ہے کیونکہ اصول ہی اس قسم کے مسلم ہو چکے ہیں جس سے آپ  
 مجبور ہیں پھر حضرت عثمان کے اس رویہ کو دیکھتے ہوئے آپ انکے کسی قول کا اعتبار فرما سکتے ہیں یا نہیں  
 اور پھر بقول آپ کے دروغ و ضرورت جو بدترین قسم ہے اسکا ارتکاب کیا کیونکہ جان بچانے کیلئے



حکایت سابق میں سچائی کی ضرورت تھی نہ جھوٹ کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اگر جھوٹ ہوتے تو بوقت ضرورت شدید جائزہ لیا جاتا تو اس میں عقلا اور عرفا چند ان قباحت نہیں کیونکہ جائزہ سچے کلمے ہیں جسکے کہنے میں ثواب بھی ہوگا نہ ہی ہونو مگر جب جائزہ سے ترقی کر کے اسکو فرض و واجب کہا جائے اس کو مہادت کہا جائے تو عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی۔

مدیر صاحب نے لفظ چند ان پر ایک حاشیہ بھی دیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ”یعنی عوام کے لیے ضرورت شدید کے وقت میں جھوٹ بولنا میسب نہیں خواص کے لیے اُس وقت میں بھی میسب ہے“ اس عبارت کو دیکھ کر مجھے اس بات کا موقع ملتا ہے کہ حضرت عثمان جو مذہبِ اہلسنت کے رئیس ہیں وہ مدیر کے نظریں عوام میں داخل تھے یا خواص میں اگر عوام میں داخل تھے تو انکو ضرورت جھوٹ بولنا نظر مدیر میں جائز تھا مگر انھوں نے بلا ضرورت ارتکاب کرنا فرمایا اور اگر وہ خواص میں سے تھے تو کسی طرح بھی انکو کذب جائز نہ تھا پھر جب آپ کے رُسا آپ کے راویوں کی حکایت کی بنا پر ان جرمِ شنیع میں مبتلا ہوں تو آپ کسی مذہبِ اہل کے سامنے اس طرح کی بیجا تقریریں کیوں کرتے ہیں ایک صاحبِ علم و منزل

اس ام سے خوش ہوں کہ تفسیر پر ہنسنے والا اسکے جواز کو اس مضمون میں تجویز کرتا ہے وہ عوام ہی کیلئے سی گزیر تفسیر اسکی نظر میں کوئی چیز تو ثابت ہو اب وجوب کا سمجھنا اور تفسیر کا عبارت ہونا اسکا سمجھا دینا میرا کام ہے لہذا ناظرین میرے الفاظ کی طرف بہت توجہ نہ کرنا ہو جائیں اگر مدیر کی سمجھ میں میری باتیں نہ آئیں گی تو بہت سے انصاف پسند چاہے وہ مذہبِ شافعی ہوں یا شیعہ اطرافِ عالم میں موجود ہیں جو دارالانصاف دے سکتے ہیں۔

میں اپنے اس بیان میں ایک خاص شخص دعو اپنے کو بڑا مانع اور بڑا مستحکم سمجھتا ہے اور اسکے دل میں اس بات کی حسرت ہے کہ وہ حضراتِ اہلسنت میں نہیں تسلیم کیا جائے انکو مخاطب کرتا ہوں اور اسی سے اسوقت میرا مخاطب ہے ”کیوں جناب مولوی عبدالشکور صاحب مدیر انجم“ اگر جناب کی پیدائش مقدم ہوتی اور تقدیر نے آپکو پیدا کر کے صبح شب ہجرت غار ثور کے کنارے کمر اڑوا ہوتا اور غار میں خلاصہ موجودات کا قیام ہوتا اور حضرت ابو بکر بھی اپنے حزنِ سمیت غار میں موجود

ہوتے اور آنحضرت کے دشمن اور جانسان دشمن بنیمیر کو ڈھونڈتے ہوئے آتے اور آپ بنیمیر اور اپنے رہنمائے اول کو غار میں جاتے ہوئے دیکھا ہوتا اور وہ آپ کو بچتے کہ تم بتاؤ غار میں مکہ کا دعویٰ نبوت کرنے والا ہے یا نہیں در آنکھ لیکہ کہو تیرا صحرائی اپنی پور دہان سے قصہ وجود بنیمیر کو جھٹلاتے ہوئے اور کمر در کمر کی کا جالا دشمنوں کی آنکھ کا جالا ہو رہا تھا تو آپ دشمنوں کے سوال کے وقت کیا جواب دیتے بنیمیر کے غار میں ہونکی تصدیق فرماتے یا کہتے کہ میں نے نہیں دیکھا یا کہتے کہ مجھے معلوم نہیں اگر جناب اپنی سچائی کے ذہن میں کہیں یہ کہتے کہ جی ہاں اسی غار میں ہیں سینے بچشم خود جاتے ہوئے دیکھا ہے تو بنیمیر کا بار آپ کے سر مبارک پر ایک ناگوار سہرا بنکر رہتا جو برس اور حجام کے داغوں سے کہیں زیادہ بدنا ہوتا اور اگر آپ فرماتے کہ مجھے نہیں معلوم جب بھی آپ انکو نفی و تفتیش کا موقع دیتے ضرور آپ کو یہ کتا پڑتا کہ وہ اس غار میں نہیں ہیں تاکہ آپ کو براہِ مکرر سے کم نہ نکلیں اور اعدادِ خدا میں آپ کا شمار نہواور آپ اور دنیا کے عاقل کو یہ بات معلوم ہے کہ ایسا کہنا کہ اس غار میں نہیں ہیں کذبِ بزرگ ہوتا اور آپ اگر محبتِ خدا دل میں تھی تو اس ارتکاب سے بچ نہیں سکتے تھے اب فرمائیے کہ ایسے وقت میں یہ کذب صریح آپ پر وجوب ہوتا یا جائز اگر آپ جائز فرمائیے تو سچے واقعات کا بیان کرنا بھی جائز ہو گا یعنی قتل رسول کا راستہ بتانا بھی جائز ہوتا اور اسکو جائز کہنا شاید آپ ہی کا کام ہے اگر آپ جرئت کر سکیں تو کچھ لکھیں مجھے معلوم ہے کہ آپ نقد کیا مدعیان اسلام کی کوئی فرد بھی اسوقت راست گوئی کو جائز نہیں کہہ سکتی پھر جب ایسے وقت میں راست گوئی حرام تھی تو دروغ گوئی واجب ہوئی یا نہیں اب اگر آپ اس مواخذہ سے ہباگ سکتے ہوں تو بیگنے و این المغرہ اور آپ عوام میں سے تو اپنے کو گنتے نو گنتے تاکہ انکے لیے تفسیر کا جواز تجویز کرتے آپ تو خواص میں سے ہیں اور آپ ہی تفسیر بظہیری سے واجب ہو جاتا پھر چونکہ آپ نے طرفدارِ خدا اور رسول کی ہوتی ایسے جتنا بھی ثواب جناب باری مرحمت فرماتا وہ کم تھا کیونکہ ”ایہ کریمہ قرآنہ“

من اجل ذلک کتبنا علی نبی اسرائیل انه من قتل نفسا بغير نفس او فسادا فی الارض | بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو کوئی شخص کسی نفس کو من قتل نفسا بغير نفس او فسادا فی الارض



فکاناقل الناس جميعا ومن احيانا فکانا  
ایسا ہے جیسے اس نے نام جنگاں خدا کو قتل کر دیا ہو اور جو  
شخص کو نہیں زندہ کر لے وہ دنیا جیسے تمام کو کو زندہ کر دیا ہے

جب یہ فیصلہ معمولی نفوس کے متعلق خدا نے قرار دیا ہے تو خاتم المرسلین کے نفس مبارک کے بچاؤ  
کی ترکیب کو دنیا کے قدر موجب اجر ہوتا اور کتنی بڑی عبادت ہوتی اتنی غی سے غبی پر یہ امر نشست  
ہو گیا ہو گا کہ تفسیر کبھی واجب ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی عبادت کی صورت میں ہوتا ہے جسکے  
ثواب کی کوئی انتہا تصور نہیں ہوتی۔ مگر میرے امید نہیں کہ وہ جاسے اس نکتہ صریح کو سمجھے کیونکہ  
اس نے اپنے آپ کو ان لوگوں کو رکھا ہے جنہوں نے کبھی قتل نبی کے راستہ دکھانے میں دریغ نہیں کیا  
چنانچہ میدان جنگ احادیات قرآنی سمیت جو اس موقع کے عظیم القدر گواہ ہیں اس مطلب پر  
خدا ہے لوگ اطمینان سے آڑے تہہ چھو کر دھتے یا بین نکل گئے اور ایک جماعت پاؤں کی چوٹی پر  
با تعجب باغ دیکھ رہے یا اطمینان تمام بیٹھے رہے اور میدان جنگ میں پیغمبر عظیم مصیبت میں مبتلا تھا جیسر  
وعدان مبارک کا شہید ہو جانا اور رخسار مبارک کا لہو سے رنگین ہو جانا ایک غیر قابل روگوا ہے۔

وہ جو شب بھرت سپر ہو گیا تھا وہ ہی احد کے پر ہول میدان میں بھی سپر تھا جسکو میر نظام مرآت  
خلافت میں سب کے بعد قرار دیتا ہے من کان ناھا علی العقل فلیخ من کان بالی علی الفہم فلیک۔  
اب جو عقل پر پرونا پائے وہ روئے اور جو فہم کے وفات پر ہفت ماتم بچھا نا چاہے تو رونے کا موقع  
سانے ہے یہ ایک موقع تھا جہاں ہٹے عقلی حیثیت سے تفسیر کا وجوب اور اسکا عبادت ہونا ثابت کیا  
اب اگر علمائے اہلسنت کے تحریرات اور قرآن مجید کے دلائل کو نقل کر دوں تو اباب فہم کے  
حس کیلئے اور اسکے وجوب کیلئے اباب انصاف کے نزدیک کافی ہو گا میرے مجھے اس بات کی کم  
امید ہے کہ وہ قرآنی استدلال کو تسلیم کرے کیونکہ وہ نقطہ عدم تحریف کا معنی ہے لیکن ایمانی منزل میں  
قرآن کے موافق اسکی رفتار مشتبہ ہے تہید کلام میں کچھ اقوال علمائے اہلسنت گزری جنہوں نے  
کذب میر کی اجازت دی تھی بلکہ موافقت کے بجائے مخالفت شریع مطہر بھی تجویز کی تھی۔ اور اُسے چپ  
بھی بتایا تھا فرار ج۔ فی تہذیب لکمال فی معرفۃ الرجال الذی ہو مہذب الکمال فی معرفۃ الرجال  
لعبد الفی المقدی قال محمد بن موسیٰ الحمری حدثنا یامہ بن عبیدۃ قال حدثنا عطیۃ بن یحارب عن

یونس بن عبید قال سئل عن قتلت یا ابا سید انک تقول قال رسول اللہ انک لم تدرك قال  
یا بن اخی لقد سئلنی عن شئی ما سألنی عنہ احد قبک ولولا انک لکنی ما اخبرک انی فی زمان کان  
تروی وکان فی کل کجارج کل شئی سمعتنی اقولہ قال رسول اللہ یونس بن ابیطالب غیر انی فی زمان  
لا استطیع ان اذکر علیا، اجاب علامہ معلی عن الاقطاب والاوصاف جناب مفتی محمد قلی صاحب  
املی اللہ مقامہ نے اپنے رسالہ تفسیر میں فخر الدین دہلوی کی عبارت نقل فرمائی ہے جو اوپر مذکور ہوئی  
اس میں مذکور ہے کہ تہذیب کمال میں جو کمال فی معرفۃ الرجال کا مہذب جو عبد الفی مقدی کی تصنیف  
سے ہے یہ روایت مرقوم ہے جسے بسلسلہ مذکور یونس بن عبید سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت  
سے پوچھا کہ اسے ابو سعید تنکو میں حدیث بیان کرنے میں سنا کہ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ نے کہا حالانکہ  
نئے عہد جناب رسالتاب نہیں پایا پھر تم کہتے ہو کہ حضرت کی طرف قول کو منسوب کرتے ہو حسن نے کہا کہ  
اسے میرے بھتیجے تھے وہ بات مجھے پوچھی جو کسی نے ایک مجھے نہیں پوچھی تھی اور اگر تمہاری قدر  
میرے نزدیک نہ ہوتی تو میں ہرگز تمہیں نہ بتاتا میں اس زمانہ میں ہوں جو تحقیق معلوم ہے کہ کیا  
زمانہ ہے (اور یہ وقت حجاج بن یوسف کے عمل کا تھا) تم ہر حدیث جو میں رسول اللہ کی طرف  
منسوب کرتا ہوں اور تم اسے سنو تو تم اسے سمجھنا کہ میں جناب علی بن ابیطالب سے روایت کرتا  
ہمیں جو کچھ میں اس زمانہ میں ہوں جس زمانہ میں میں علی کا نام نہیں لے سکتا لہذا ہمیں لیتا۔  
اس نقل سے صاف روشن و آشکار ہے کہ حسن بصری نہ تھا تفسیر کا قائل تھا بلکہ وہ تفسیر کا  
فاعل تھا اور اگر وہ اسے واجب نہ سمجھتا تو کبھی کبھی ترک بھی کرتا لیکن اسے ترک نہیں کیا بلکہ اسکا  
علامت مقرر کرنا اس تفسیر استمراری کا ثبوت ہے۔ اس روایت میں ایک نکتہ مفید ہے جو  
میں چاہتا ہوں کہ ناظرین رسالہ مبارک سبیل (اور خود میر انعم نے اگر اسکا تعصیب محل اسے  
ملفت ہونے دی تو وہ اس اہم مطلب کی طرف التفات فرمائیں یہ حجاج کا زمانہ حکومت تھا  
جس میں حسن بصری قبل اے بلائے تفسیر تھو۔ اور یہ سلطنت عبد الملک کا دور تھا اور عبد الملک  
وہ شخص تھا جسکے متعلق سراج الملوک میں (ابوبکر بن محمد بن الولید نے لکھا ہے) وہ روای عن  
عبد الملک بن مروان انہ لما ولی الخلافة اخذ النصف فی حجرہ ثم قال ہذا فراق



بنی دینیک، یعنی عبد الملک بن مروان سے اس امر کی روایت کی گئی ہے کہ جب عبد الملک نوبت خلافت پہنچی تو اس نے قرآن کو لیکر اپنی گود میں رکھا پھر قرآن سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب میرے تیرے جدائی کا وقت آگیا، سراج الملوک صفحہ ۳۹ مطبوعہ مصر۔

ذرا خلافت کی عظمت دیکھو اسکا وقار اسلامی امت میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ خلفائے اہل بیت کا یقین رکھتے تھے کہ خلافت قرآن کی حکومت سے آزاد ہے اور خلیفہ کے لیے قرآن نہیں اترتا اور نہ وہ اسکا محکوم ہو سکتا ہے یہ سلسلہ نعم عبد الملک تک وراثتاً یاد دلاتے ہوئے ہوگا بہر حال وہ خلافت کے وقت قرآن کو دواغ کر رہا ہے اور پھر مسلمان ہے یہ ایک علامہ مالکی قول تھا جو یقیناً نقل کر دیا اگر اس مذاق کو لیکر آگے بڑھوں گا تو لوگوں کے چشمہ دابر پر بل پڑنے لگے گا اور لطف سخن میں فرق آجائیگا۔ بہر حال عبد الملک دور اور حجاج کی گورنری نیم پر کر لینے کی بل تھی اسکی شیرینی کا کیا کتنا حجاج اپنے ظلم و ستم میں عبد الملک آئینہ صورت تھا جس اتنا ہی اسے صحت کے لیے کافی ہے کہ امیر المؤمنین علی بن ابیطالب ذکرِ خطبہ نہیں لاد گئے غیر مغرور تھا جو بغیر جان لیوے انسان کو چھوڑ ہی تھا پھر اس کے ساتھ یہ بھی خیال میں رہے کہ جب قرآن چھوڑ دیا جائے تو قرآن کے ساتھی سے اتصال کیونکر گوارا کیا جائے و اتفاقاً قرآن عید عجیب آیت روشن ہے جس نے کسی جبر کو بغیر ذکر چھوڑا نہیں چنانچہ مفارقت قرآن کا بھی تذکرہ موجود ہے اور کس انداز سے اس لیے میں اپنے غیبی خبر کو اس نقل سے متصل کر سکتا ہوں یہ قرآن کی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پانچواں رکوع اول سورۃ فرقان میں ہے۔ ویم بعض الظالم علی یدہ یقول لیستی بخدیخت مع الرسول سلیم یومئذ لیستی لم اتخذ قدامی الخلیفۃ اھلنی عن الذکر بعد از جاننی وکان الشیطان لالسان فھو واما وقال الرسول یارب ان تومی اتخذوا ہذا القرآن مجھرا وکذکک جعلنا لک بنی عدو وامن الجبرین وکفی بربک اذیاء و نصیر ذیہ اسدن کا قصہ ہے جو کافروں پر سخت دیا ہوگا اور اسدن ظالم اپنے ہاتھوں کو یہ کہتا ہوا کائے کائے کاش میں پیغمبر والا راستہ اختیار کرتا مگر انفس کاش میں خلافت میں کو اپنا دوست نہ قرار دیتا اسے تو مجھے گمراہ کر دیا ذکر سے بعد اسکے کہ وہ میرے پاس آیا اور

شہد بیان لانیال حمودہ انطاہلین کے ٹکڑے کو طاکر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اندھو کات میں جان دانی کل آئی اور نہ

شیطان یو نہیں انسان کو (ناکامیاب) چھوڑ دیتا ہے اور رسول یہ کیلگا کہ اسے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا یو نہیں ہنسنے پر نہیں کیلے محرموں میں سے دشمن قرار دیا ہے اور تیرا رب ہدایت اور مدد کرے گی (یہ کافی ہے) یہ قرآن کے چھوڑ دینے کی شکایت بیشک باری میں پیش ہونا عبد الملک کے خلافت سے بہت پہلے قرآن میں نازل ہو چکا لیکن لوگ اسکو مجازاً بلا حقیقت سمجھا کئے مگر اب اسید ہے کہ اس نقل کے بعد یہ بالکل حقیقی بات سمجھی جائے۔

مختصر یہ ہے کہ اس قسم کے دور میں اگر علی کی دشمنی ایسی واجب سمجھی جائے جیسا کہ حسن بصری کے کلام میں اس کا پتا ملتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ دشمنی قرآن کا زمانہ تھا پھر جب نام لینے کی وجہ سے اور لوگوں سے دشمنی ہو جاتی ہو اور انکو تفسیر کرنا پڑتا ہو تو بتانے کے خاص اولاد امیر المؤمنین پر کیسا برا وقت ہوگا اور انکو کس قدر تنقید کی ضرورت ہوتی ہوگی لیکن مدیر انجم تفسیر کے نام سے تھا ہوتا ہے اسکی وجہ صریح یہ ہو سکتی ہے کہ نظر تفسیر داستان جو خلفا کو دوہرا دیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ نقصے دفن ہو جائیں مگر ہم اور ہمارے دشمن جب دونوں ان قصوں پر متفق ہوں تو یہ باتیں کیونکر مخفی ہو سکتی ہیں۔

### امیر المؤمنین کی ایک جہنم فیصلیت

روایت حسن بصری سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بجائے امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نام نہاں رات قاب علی اللہ علیہ وآلہ لیا کرتا تھا ہنسنے لیا کہ تفسیر سے امیر المؤمنین کا نام لینے کی اجازت نہ دیتا تھا خیر وہ نام نہ دیتا لیکن بجائے جناب سادات کا وہ کسی اور شخص کا نام لے سکتا تھا جسکے وہ پیغمبر پر افسوس کرنے سے بچتا تھا اگر کوئی شخص حسن بصری کے اس فعل میں غور کرے تو اسے اس تبدیلی اسم میں نہایت حسن و خوبی نظر آئیگی اور اس قدر اس حسن تدبیر میں حسن نظر آئیگا اتنا ہی فیصلیت امیر المؤمنین سے عجب ہوتا تھا جیسا کہ بات یہ تھی کہ حسن بصری کو قول امیر المؤمنین پر اتنا ہی وثوق تھا جتنی پیغمبر کے زبان کی کھی ہوئی تھی۔ پھر ہو سکتا تھا لہذا آپ کسی بات کے سننے کو وہ ایسا ہی سمجھتا تھا جیسا کہ اسنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور یوں وہ ایک کے نام کی جگہ دوسرے کا نام لے آتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری بھی آپ کو معصوم اور منزل منزلہ الرسول سمجھتا تھا جیسا کہ تمام فرقہ معتزلہ کا بھی خیال ہے جسکی





معد وان طاعة غير من اخروج عليه لاني لثك  
اُس پر خروج کرنے سے بہتر یہ کہ اس طاعت و فرمانبرداری میں  
موجن الدماء و تسكين الذخاير۔

ان کلمات سے صاف روشن و آشکار ہے کہ تقیہ کا وجوب اجماعی ہے بلکہ جیسے اگر انصاف  
پر چھ تو ہم جانتاں کہ کہیں اس اجماع سے کہیں زیادہ قوی ہے جو حضرت ابو بکر کے  
خلیفہ ہونے پر بقول شخصے منعقد ہوا تھا افسوس ہے کہ ہمارے مخاطب مولوی عبد الشکور صاحب  
انکار اس اجماع قوی کے مقابلہ میں ہے لیکن اس اجماع ضعیف پر ایمان قائم ہے۔

### صحابہ تابعین نے تقیہ کیا

تندیب الکمال میں ہے۔ قال الأشعث  
من عبد الملك بن يسر من الترابين  
سرو قال كن مع حذيفة فقال له عثمان يا  
ابعد الله ما الذي ينجي عنك قال  
ما قلته قال عثمان انت اصدقم و ابرهم فلما  
خرج قلت يا ابا عبد الله الم نقل بالقتل  
قال بے و لكني استري ديني بيضه فافان  
مذهبك انتہی۔

اعش نے سلسلہ مذکورہ سے روایت کی ہے کہ ہم حذیفہ کے ساتھ تھے  
عش نے حذیفہ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ یہ کیا خبریں تمہارے متعلق  
مجھے پہنچتی ہیں حذیفہ نے کہا کہ میں تو ان باتوں کو نہیں کہنا عش نے  
کہا کہ تم ان سے زیادہ بچے ہو اور زیادہ بچے ہو اور زیادہ حقوق کا  
خیال کرنے والے ہو جب عش وہاں سے چلے گئے تو میں نے دلی کلام  
حذیفہ سے کہا کہ کہنے یہ باتیں نہیں کہیں قیس حذیفہ نے کہا کہ  
کہیں کہیں تمہیں لوگ ہیں اپنی دین کے بعض حصے بعض کو فروخت کر  
اس ڈر سے لکھیں گے نہ جانا رہے۔

### ابن عباس نے تقیہ کیا

قرآن شریف میں ہے اول من علم بالمول  
عمر فانه وقع في عهده صورة مناق خروجا  
عن فروضا فشاو را الصحاير فيما فاشا  
العباس الى العول فقال اعلو  
انرا لفس فشاو عول فلك ولم يكره

یعنی پہلا وہ شخص جس نے مول کا علم کیا وہ حضرت عمر تھے انکے  
ایک ایسا سلاش جہا تھا جس میں تاس سے نکل سکتے تھے عمر نے صحابہ  
سے مشورہ کیا تو عباس نے مول (نقصان) کا اشارہ کیا انکے  
اسکے صواب و بد پر حکم عول دیا یعنی تمام صاحبان میراث پر نقصان  
ڈالا جائے لوگوں نے اسی حکم کی پیروی کی اور کسی نے

احد الا بنه بعد موتة فقیل له لا اكرت  
فی زمن عمر قال ہیئتہ دكان مسیبا  
الی ان قال بلا یجتصون حتی یجمل  
یجمل لعنہ اللہ علی انکا ذمین  
ن الذی اصحی رمل حاج عدا  
لم یجمل نے مال نصفین  
و ثلثا  
انتہی

یعنی اس سے انکار نہ کیا لیکن جب عمر نے انتقال کیا تو عباس کے بیٹے نے  
نئی زمن عمر قال ہیئتہ دكان مسیبا یعنی ابن عباس نے اس سے انکار کیا تو لوگوں نے کہا کہ عمر کے زمانہ میں  
الی ان قال بلا یجتصون حتی یجمل کیوں نہ انکار کیا کیا مجھے ان سے خوف معلوم ہوا اور وہ ایک  
یجمل لعنہ اللہ علی انکا ذمین مسیبا ہی تھے قریب سخن اس نزاع میں یا انکے پر پوری کہ ابن عباس  
ن الذی اصحی رمل حاج عدا و انے کا کہ اچھا ہمارے مخالفین کیوں نہیں جمع ہوتے تاکہ ہم باہم لڑ کر  
لم یجمل نے مال نصفین خدا کی لعنت جھوٹے پر قرار دیں یقیناً وہ شخص جس کو رمل حاج کا شمار  
و ثلثا معلوم ہے اس نے کسی مال میں دو نصف اور ایک ثلث نہیں قرار دیا (انصاف ہے کہ دواؤں کا  
انتہی میں مال پورا ہو جائیگا اب یہ ثلث کہاں سے آئیگا۔

اور کتا یا تحقیق خرج مختصرا بی محاسنی میں اس بات کے بیان میں کہ اجماع سکوت سے ثابت نہیں ہوتا  
مردم ہے۔

ودود الظاہری وبعض المستترہ مسکونی  
یعنی داؤد ظاہری اور بعض مستترہ داس مطلب پر کہ اجماع سکوت  
ذلک بان السکوت قد یكون للہا بدو العتہ  
سے ثابت نہیں ہوتا اس بات سے تمسک کیا ہے کہ سکوت کبھی ہیبت اور  
کما قول ابن عباس لا اظهر قولی بالمول وقد  
تقیہ کے وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ جب ابن عباس نے عول کا انکار کیا ہے  
کان یکرہ بالقلت ہذا فی زمن عمرو ان کان  
توان سے لوگوں کا کہ اس قول کو عمر کے وقت میں کیوں نہ ظاہر کیا  
یقول بالمول فقال کان رجلا مویثا فہیتر  
کیونکہ وہ عول کے قائل تھے ابن عباس نے کہا کہ میں انہیں ڈرا اور وہ  
دقی روا یہ معنی من ذلک درتہ۔ ایک مصیب آدمی تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ  
مجھے اس قول کے ظاہر کرنے سے انکے دہے نے روکا۔

### ایک دوسرا قول

کنز العمال مکتبی میں ہے عن تابع ان  
رجلا سئل ابن عمر عن متعہ النساء فقال  
جو حرام فقال لہ ابن عباس قتی ہا

تابع سے مشورہ ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق پوچھا  
انہوں نے جواب میں کہا کہ حرام ہے اس سائل نے کہا کہ ابن عباس قتی  
اے جواز کا فتویٰ دیتی ہیں ابن عمر نے کہا کہ ابن عباس نے عمر کے زمانہ

نقل ابن عمر لا ترمم بها ابن عباس میں یہ بخوبی کیوں نہ دیا اگر کوئی عمر کے زمانہ میں ایسا کرتا تو وہ اسے  
فی زمن عمر لا خذ فیہا احد سنگسار کر دیتے ہیں عمر کے قول سے کہ اس زمانہ میں وہ سنگسار کر دیتے  
اور ابن عباس کے بخوبی نہ دینے سے صاف ظاہر ہے کہ حبیبیت اور  
تقیہ نے ابن عباس کو رکھا۔

اوجہ ابن عباس ایسے لوگ مخالفت سے خوف کرتے تھے تو اوروں کا حال بھی اس سے معلوم  
ہو سکتا ہے۔ یہ ہیں سے امام فخر الدین رازی کے قول کی کزوری معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے  
تفسیر کبیر میں بحث متعہ میں کہا ہے کہ حضرت عمر نے متعہ کو حرام کہا اگر وہ جائز ہوتا اور پھر وہ حرام کرتے  
تو یا کفر عمر لازم آتا یا کفر صحابہ کفر صحابہ اسلئے کہ انہوں نے اس حرام کرنے کی مخالفت نہیں کی۔ شنی اول  
کے متعلق تو میں کہہ نہیں کہہ سکتا لیکن شنی دوم میں صحابہ کے سکوت کا عذر روزہ کو دیکھتے ہوئے صاف واضح  
و آشکار ہے کیونکہ جب حبیبیت تھی اور روزہ کا ذکر تھا تو کفر کا ہے کہ لازم آجیگا۔

### ابن عمر نے تقیہ کیا

مشکوٰۃ میں ہے من ابن عمر قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ابن عمر سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول نے  
رکعتیں والو کو بکر بعدہ و عمر بعد الی بکر و عثمان صدرا منی میں دو رکعتیں نماز کی پڑھیں پھر بکر بعد الی بکر نے ہم ایسا  
من خلافت ثم ان عثمان صلی بعد ابن عباس کیا اور ابو بکر کے بعد عمر نے بھی ایسا ہی کیا لیکن جب عثمان کا  
نکان ابن عمر از صلی مع الامام صلی ابن عباس دور ہوا تو شروع خلافت میں انہوں نے بھی ایسا ہی کیا  
واؤ صلیا و احدہ صلی رکعتین لیکن بعد میں انہوں نے دو رکعتیں اور پڑھا کر چار رکعتیں  
پڑھیں ابن عمر جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو چار پڑھتے  
تھے اور جب منفرد ہو کر پڑھتے تھے تو دو پڑھتے تھے یہ وہ  
روایت ہے جسے بخاری اور مسلم دونوں نے اتفاق کیا ہے۔

### ابن مسعود نے تقیہ کیا

از التہم الخفا میں ہے صلی ابن مسعود مع عثمان یعنی ابن مسعود نے عثمان کے ساتھ چار رکعتیں نماز پڑھیں

ابن ابی نعیل لہ اتحاد شنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے کہہ کر تم سے بیان کرتے ہو کہ تقیہ نہ دو رکعتیں  
و مسلم صلی رکعتیں و ابو بکر و عمر فقال لے و لکن عثمان پڑھیں اور ابو بکر و عمر نے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر عثمان کے ساتھ  
امام ابو خالف و اختلاف شمر  
تقیہ میں کیا میں انکی مخالفت کروں حالانکہ مخالفت میں بدی ہے۔

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ عثمان بجا اپنے قمر امام کر رہے ہیں جو بالکل قول فعل رسول کے خلاف ہے اور  
ابن مسعود مخالفت نہیں کر سکتے ایسا کہ نام تقیہ ہے جس طرح تقیہ ثابت ہے ویسی ہے جرت خلفا پر روشنی پڑتی ہے

### راوی حدیث رسول نے تقیہ کیا

حدیث انت ال ابی فلاں یسوالی باولیا کی شرح میں یعنی ابی فلاں حدیث پھر میں تمہا بلکہ وہ ان تھریج حمی  
راوی نے لکھا ہے و ہذہ الکتابہ بقول یعنی فلاں نام بعض راوی نے اس بات سے خوف کیا کہ نام لینے میں کوئی نقص  
الردۃ خشیانی لیسیرہ فخر تب علیہ مفسدۃ او فتنۃ امامی و فساد نہ پڑا جو جسدہ وہ راوی کے حق میں ہوا انکی غیر  
حق نفس و امامی حق غیر و غلطی نہ۔ کہیں ہو۔ بہر حال غیبت سے اس فلاں کی لفظ کنیت ذکر کر

### ابراہیم خفی نے تقیہ کیا

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ یعنی ابراہیم خفی خطبہ کے وقت باتیں کیا کرتے  
ابراہیم الخفی کان یتکلم عند وقت الخشبہ فقیل لہ فی تھے لوگوں نے اس کا تو من کیا کہ میں تمہارے  
فلک فقال انی صلیت الظہر فی دار یتیم موت الی الخشبہ تقیہ پڑ چکا ہوں تقیہ کی وجہ سے میں مسجد میں چلا آیا

### زرارة ابن ادنیٰ نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ہے قال اخبرنا عمار بن الفضل قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا ہشام بن  
حسان عن عائشہ بنت مخرمۃ ان ذرارة بن ادنیٰ کان یصلی فی منزله الظہر والعصر ثم یاتی الکحاج  
لجمعۃ یسندہ کور روایت ہے کہ زرارة بن ادنیٰ اپنے گھر میں نماز ظہر و عصر پڑھا کر کحاج کے  
ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس کے متعلق طبقات میں ہے۔ اخبرنا  
اسحق بن ابی اسرائیل قال حدثنا عتاب بن مثنیٰ القشیری عن ہز بن حکیم ان زرارة بن ادنیٰ





من اخر من دخل فقال الحجاج مرحبا باني سعيد  
الى اني ثم دعا بكسي فوضع الي جب كره  
فقد عليه فعمل الحجاج يدا كرا ويا شلنا اذ  
ذكر هلي بن ابي طالب فقال منه وثلثا ست  
مقار تير ودفرا من شره -

### محمد بن سيرين و شيعي نے تفسیر کیا

و نيات الامان میں ابن عثمان نے بیان  
کیا ہے۔ لما ولي عمر بن ميرة الفراء  
العرايين فاضيفت اليه خراسان ايام يزيد  
بن عبد الملك سدي احسن بن ابی  
احسن البصري وعامر بن شريك الخ  
ومحمد بن سيرين فذلك في سنة ثمان  
فقال لهم ان يزيد بن عبد الملك خليفة الله  
استخلفه على عباد الله فاحفظوا له  
عبدنا باسرع والطاعة وقدموا له ما ترون  
فكتب لي ما من ابوه فاقبله وناقله من  
ذلك لاه فقال بن سيرين والشيعي قوا في حق جواب تقيه من ديا -

### ایک بڑے گروہ نے تفسیر کیا

فتح الباری میں ہے۔ اول من زحف المساجد  
الوليد بن عبد الملك بن مروان فذلك في آخر  
عهد الصفاية وسكت كثير من اهل العلم انكار ذلك  
میں ہوا اور بہت سے اہل علم نے انکار سے

خروفا من الفتنة - سکوت کیا کیونکہ ان کو فتنہ کا خوف تھا۔

### ابو ذر کو تفسیر کا حکم

شکوہ میں ہے عن ابی ذر رضی اللہ عنہ  
قال قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم  
كيف انت اذا كانت عليك امر اربعة  
الصلوة او يخر مناهن وقتها قلت فما  
تأمرني قال صلى الله عليه وسلم صل الصلوة  
لو قتها فان اوركتها مع فصل فانك  
نافلة رواه مسلم -

شیخ عبدالحی دہلوی نے اس عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ گفت ابو ذر گفت مرا پیغمبر خدا  
چگونہ خواہد بود حال تو دچہ خواہی کرد وقتیکہ مسلط خواہد شدت بر تو بادشاہان کہ در مخالفت  
ایشان اثارہ فتنہ است می میراندہ نماز را و رعایت نمیکند شرائط و آداب آنرا یا پس انا زمانہ نماز را  
از اوقاتش یعنی از اوقات مختار۔ ابو ذر میگوید من گفتم کہ چہ میفرمائی مرا و چہ میگوئی گفت آنحضرت بجز از  
نماز را در وقتش پس اگر در بانی نماز را یا ایشان نیز بدستی نماز کیہ ہمراہ ایشان بجز از سی نقل خواہد بود  
برائے تو و از دنیا معلوم میشود کہ اگر امام تأثیر کند در وقت نماز خصوصاً کہ بوقت مکروه اعزاز و ماموم  
باید کہ بجز از نماز خود را در اول وقت پیشر گزارد و یا امام تافضیلت وقت و جماعت ہر دو در بابہ  
واجب در غیر نماز فجر و عصر و مغرب خواہد بود از حیث کراہت تغل در اوقات و عدم مشر و رعیت تغل  
سہ رکعت یا اینکه ارتکاب این مکروه اہرنت از اثارہ فتنہ و اختلاط کلمہ کہ لازم آید از مخالفت  
امراء جاہلانی میں شاہ عبدالحق صاحب کے عبارت کا بھی ترجمہ کرتا ہوں تاکہ ناظرین عام طور سے  
انکی مراد کو بھی سمجھ لیں۔ ابو ذر کہتے ہیں کہ مجھ سے پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا اور تم اس وقت  
کیا کر دگے جب تمہارا ایسے بادشاہ مسلط ہونگے جنکی مخالفت میں فتنہ و فساد کے برائے فتنہ ہوتے کا



خوف ہے وہ نماز کو مار ڈالیں گے اور اس کے شرائط اور آداب کی رعایت نہ کریں گے یا نماز کو انکی اوقات بعد میں ڈال دیں گے یعنی ان وقتوں کے بعد پڑھیں گے جو ان نمازوں کے لیے اختیار کئے گئے ہیں احوال ابو ذر سے عرض کی کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں ایسے وقت میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تم نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا پس اگر نماز ان لوگوں کے ساتھ بھی بن جائے تو پڑھ لینا کیونکہ جو نماز تم ان لوگوں کے ساتھ پڑھو گے نافذ ہوگی تمہارے لیے۔ اس جگہ سے یہ بات معلوم ہوتی کہ اگر امام وقت نماز سے تاخیر کرے خصوصاً جبکہ اسے وہ وقت مکروہ میں ڈال دے ماموم کو چاہیے کہ وہ نماز کو اداں وقت ادا کرے پھر امام کے ساتھ پڑھے تاکہ وقت کی تفصیلت اور جماعت کی تفصیلت دونوں حاصل ہو جائیں اور یہ نافذ ہو جائے بغیر نماز فجر عصر و مغرب میں ہوگا کیونکہ ان اوقات میں نفل مکروہ ہے اور اس لیے بھی کہ تین رکعت کا نافذ شروع نہیں ہے پھر فجر و مغرب کا شمار نافذ میں ہوگا یا یہ کہ ان مکروہات کا ارتکاب فتنہ کے برائے گنہگار کرنے اور باہم بیعت واقع ہو جانے سے سہل ہے جو مخالفت امر اور جارہت لازم آئے گی۔

اگر مترجم نافذ کے لغوی معنی لیتا اور اصطلاحی نہ لیتا یا نافذ سے مراد ثواب نافذ مراد لیتا تو یہ تکلفات جو اسے کرنے پڑے وہ نہ درپیش ہوتے۔ بہر حال تفسیر کی ہدایت تو ثابت ہوئی اب چند باتیں اور خیال کرنا چاہیے ایک تو یہ کہ خطاب رسول ابو ذر سے ہے اور ابو ذر مساتاب کے بعد زمین ہی بزرگواروں کے ماتحت ہے اس لیے وہ حکومتیں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی تھیں اور تیسری حکومت میں اُس کے جور و ظلم سے ابو ذر نے مقام ربذہ میں انتقال کیا اب یہ پتا نظر انداز کر نیکی قابل نہیں ہے کہ یہ دستور العمل جو پیغمبر نے جناب ابو ذر کے لیے بتایا ہے اور اُن کیلئے لازم العمل بھی تھا وہ کن امر کے بابت تھا سو اسے خلفائے ثلاثہ اور کوئی اُن پر مسلط نہیں ہوا تو اب ضرور ہو کہ وہ ہی خلفائے چار ہوں اور وہی سلاطین جور ہوں اور انھیں کی یہ صفت ہو کہ نماز کو وہ مار ڈالیں گے یا اس کے وقت سے اسکو موخر کر دیں گے اور بعد اُن کے اور دستور العمل کے معین ہو جائیں گے یہی حدیث اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ وہ لوگ جو

جو ابو ذر پر مسلط تھے وہ کیسے تھے۔

دوسری بات یہ بھی قابل لحاظ اور نہایت ہی معنی خیز ہے کہ پیغمبر نے فرمایا۔ کیف انت اذا كانت ملک امراء تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اوپر ایسے امر مسلط ہوں انھیں غلط امر فرمایا جس کا ترجمہ عبد الحق صاحب نے "باو شائ ان" فرمایا ہے لفظ خلفا نہیں فرمائی اور مذاق قوم کے بنا پر پیغمبر کو خلفا کہنا چاہیے تھا لیکن اگر خلفا فرماتے تو یہ صفات جن کے مذموم ہونے میں کسی عاقل کے نزدیک شبہ نہیں انکے واسطے نہ ثابت کیجائیں۔ لہذا یہ بھی ثابت ہو کہ ابو ذر پر مسلط ہونے والے خلفا تھے بلکہ امراتے اس سے زیادہ ہمارے اور اسنت کے نزاع میں فیصلہ کرنے والی کون چیز ہو سکتی ہے۔ مجھے اُن لوگوں سے سخت تعجب ہوتا ہے جو احادیث کے ترجمہ کرتے ہیں اور اس سے احکام کو مستنبط کرتے ہیں اور مقاد حدیث پر ذرہ برابر غور نہیں کرتے اسی کا نام ہے طبع اسی کا نام ہے دُختم یعنی ختم اللہ علی قلوبہم اجمعین۔

### پھر ابو ذر کیلئے تفسیر کی ہدایت

عن ابی ذر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت ابو ذر سے منقول ہے کہ جناب رسالتاب نے ان سے فرمایا
قال لکیف تصنع اذا خرجت من المسجد	کہ ابو ذر کیا کرے گا جب تم مسجد نبوی سے نکالے جاؤ گے ابو ذر نے کہا
المسجد النبوی قال آتی الشام قال کیف	کہ میں شام چلا جاؤں گا فرمایا کیا کرے گا جب شام سے میں نکالے
تصنع اذا خرجت منها قال اعود الیہ	جاؤں گا میں پھر مسجد ہی میں چلاؤں گا فرمایا کیا کرے گا جب
اے الی المسجد قال کیف تصنع اذا	پھر مسجد سے نکالے جاؤں گا کہ میں اپنی تلوار سے اس وقت حملہ
اخرجت منه قال انضرب بسیفی قال	کرؤں گا جناب رسالتاب نے فرمایا کہ میں تمھیں اس سے بتر
صلی اللہ علیہ وسلم الا انک علی ما ہو	بات بتاؤں جو تمہارے لیے بہتر ہو اور وہ یہ ہے کہ ہر حکم کو
خیر لک من ذلک واقرب رشدا تسمع	سنو اور اسکی طاعت کرو اور جہر نہ کرو وہ لوگ کہ تمھیں ہی
وتطیع وتساوق لہم حیث سا توک۔	جانب کو کھج جاؤ۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

صاف ظاہر ہے کہ مفسدہ کے خوف سے تفسیر کا حکم دے رہے ہیں اور الفاظ رسول ابو ذر کی

مظلومیت کا پتہ لگا رہے ہیں۔

## انبیائے تقیہ کیا

صحیح مسلم میں ہے ابوہریرہ سے روایت ہے اس نے کہا کہ پیغمبر نے فرمایا کہ

لَمْ يَكُذِبْ اِبْرَاهِيْمُ النَّبِيُّ الْاَمْتُ كَذِبَاتٍ  
ثَنِيْنِ فِي ذَاتِ اَشَدِّ قَوْلِهِ اَنِيْ سَيِّمٌ وَقَوْلُهُ  
بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ وَادْعُهُ فِيْ شَانِ  
سَارَةَ فَانْتَظِرْ اَرْضُ جِبَارٍ وَمَعْدُ سَلُوْةٍ  
وَكَاثِمَتِ اَحْسَنَ النَّاسِ فَعَالِ اِنْ هٰذَا  
اَجْبَارُ اِنْ اَعْلَمَ اَنْكَ اِمْرَاۡتِيْ فَيَلْبِسِيْ عَلَيَّ  
فَاَنْ سَلَكَ فَاخْرِجِيْ اَيْكَ اَخْتِيْ فِي  
الْاِسْلَامِ فَاَنِيْ لَا اَسْلَمُ فِيْ الْاَرْضِ  
مُسْلِمًا غَيْرِيْ وَغَيْرِكَ اَنْتَهٰی۔

یعنی معاذ اللہ ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا مگر من تمام مرتبہ  
دو جھوٹ خدا کی ذات کیلئے بولے اور وہ ایک تو انی سیم تھا اور  
دوسرا یہ فرمایا کہ بل فعل کبیرہم اور تیسرا سارہ کے باب میں کیونکہ  
جناب ابراہیمؑ ایک بادشاہ جبار کے ملک میں تشریف لائے تھے  
اور ان کے ساتھ جناب سارہ بھی تھیں اور حضرت سارہؑ بل تر بن گئیں  
قیس تو اپنے سارہ سے فرمایا کہ یہ ظالم بادشاہ اگر یہ سمجھ لے گا کہ تم  
میری بی بی ہو تو وہ تمہارے بغض کرے گا اور مجھے مطلب کرے گا تو اگر وہ  
تم سے پوچھے کہ تم انکی کون ہو تو کہہ دینا کہ میں انکی اسلامی بہن  
ہوں کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تم زمین عالم میں میرے اور تمہارے  
کوئی اور مسلم ہو۔

اور شارح شفا نے رجسٹرا کے سلطان التکلمین جناب مفتی محمد قلی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا ہے جناب سارہ کو بہن کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ قال تقیہ خشية ان اکتفاء یعنی جناب ابراہیمؑ یہ قول تقیہ کی سبب سے کہا اس بات کو ذکر کے کہ کہیں وہ جبار حضرت کو قتل نہ کر دے۔ اور نو دی شایع مسلم نے وجہ دوم تاویل خبر میں یہ عبارت لکھی ہے۔

الوجہ الثانی لو کان کذباً لا توریتہ فیہا یعنی وجہ دوم یہ ہے کہ اگر توریت نہ بھی ہو اور کذب بغض بھی ہو تو مکان جائز اتنی دفع الظالمین و قتل ظالموں کے دفع کرنے کیلئے جائز ہوگا اور تمام فقہاء اس بات پر اتفاق الفقہاء علی انہ وجہ ان ظالم یطلب متفق ہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی آدمی کے قتل کرنے کیلئے جھوٹا جیسا انساناً متخفياً قتلہ او یطلب و دیرتہ ہوا ہو یا کسی انسان کی امانت ڈھونڈ رہا ہو تاکہ غصب کر کے

انسان لیا خدا باغصبا و سئل عن ذلک  
وجب علی من علم ذلک خفاؤه وانکار العلم  
وہذا الکذب جائز بل واجب لکن فی دفع  
الظلم عنہ فقیر النبی علی ان ہذا الکذبات  
لیست داخلہ فی مطلق الکذب لمذموم۔  
اسے لے لے اور اسکا پتہ لگانے اور لوگوں سے پوچھے تو اس شخص  
جیسا ایسے آدمی یا ایسی امانت کا علم ہو واجب ہے کہ اسے چھپا  
اور سکے کہ مجھے معلوم نہیں اور ایسا جھوٹ جائز ہے بلکہ واجب ہے  
کیونکہ ظلم کے دفع کرنے کیلئے ہے تو پیغمبر نے بیان کر کے اسکا ذکر کیا  
کہ ایسے جھوٹ جنکا سبب قتل ظلم ہو وہ اس جھوٹ میں داخل  
نہیں جو مذموم ہو۔

## جناب خلیل اللہ کا دوسرا تقیہ

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت مبارکہ "فَلَمَّا حَمَلَ الْعِیْلَی رَاٰہُ کُوکْبًا قَالِ ہٰذَا زَنٰی" (جب ابراہیمؑ پر شب تاریک ہوئی اور انھوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا کہ میرا رب ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

الوجہ السادس انہ علی اللہ علیہ وسلم اراد  
ان یطل قو لہم بر بوبیۃ الکواکب لا انہ  
علیہ السلام کان قد عرف من تقلید ہم  
الاسلام فہم بعد طبا عن قبول الدلائل انہ  
لومح بالادعۃ الی اللہ لہم یقبولہ و لم یستوا  
ایہ فمال الی طریقۃ ہا یند رجہم الی اللہ  
انجۃ ذلک بان ذکر کلا ینکم کو نہ مساعد  
علی مذہب ہم بر بوبیۃ الکواکب مع انہ یقبلان  
مطمئناً بالایمان و مقصودہ من ذلک ان  
یکن من ذکر الدلیل علی البطلان و نہ ساد  
وان یقبلا و قولہ و تمام التقریر انہ لاسلم  
محصل وجہ ششم یہ ہے کہ جناب ابراہیمؑ صلوات اللہ علیہ اس بات کا  
ادارہ کیا کہ کوکب کے ربوبیت کو باطل فرمائیں اور یہی ان لوگوں  
کے اعتقاد میں تھا مگر چونکہ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے  
آباؤ اجداد کے تقلید میں ہیں اور انکی طبیعتیں دلائل دیر اہنیک  
قبول کرنے سے بہت دور ہیں تو اپنے یہ خیال فرمایا کہ اگر میں انکو خدا تعالیٰ  
کی طرف دعوت دوں گا اور اسکو بالتصدیق بیان کر دوں گا تو ہرگز  
اسکو قبول نہ کریں گے اور کسی قسم کا اتفاق نہ کریں گے اس لئے آپؐ نے  
ایسی کلام کے ذکر کی طرف میل فرمایا جو انکو دلیل کے سننے کی طرف  
متوجہ کرے اور یہ اس طریقہ سے کہ اپنے ایک ایسا کلام ذکر فرمایا  
جو اس بات کا خیال دلا دے تھا کہ آپؐ قرم کے خیالات کی تائید  
فرماتے ہیں اور معاذ اللہ ربوبیت کو کوکب کے معتقد ہیں لاکہ



یجہ الی الدعویہ طریقاً سوسے ہذا آپ کا قلب یا ان کے ساتھ مطمئن تھا اور آپ کا مقصد ایسے کلام سے  
الطریق دکان علیہ السلام ماموراً مرت یہ بات تھی کہ آپ دلیل ابطال ربوبیت کو اکب کو ذکر فرما سکیں  
بالدعوة الی اللہ تعالیٰ کان بمنزلة الکفر اور وہ اسکو قبول کر سکیں۔ اور تقریر یہ ہے کہ چونکہ جناب علی علیہ السلام  
علیہ السلام الکفر معلوم ان عند اللہ اکبر کے لیے کوئی اور راستہ دعوت حق کا سوائے اس راستہ کے تھا اور آپ  
بجواز اجراء کلمۃ الکفر علی اللسان خدا کی طرف سے دعوت حق پر مامور تھے تو چونکہ اسی طریقہ میں انصاف  
قال اللہ تعالیٰ الا من اکره وقلیہ تو تو آپ کلمہ کفر کہنے پر مجبور تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ مجبور ہو کر  
مطمئن بالایمان واذما جز ذکر کلمۃ وقت کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا جائز ہے خداوند عالم نے خود  
الکفر لصلوۃ بقا و شخص واحد فان استغنا فرمادی ہے الا من اکره وقلیہ مطمئن بالایمان یعنی صرف  
بجواز اتمام کلمۃ الکفر تخلص عالم اس شخص کے لیے اجازت ہے جو مجبور کر دیا گیا ہو اور اسکا دل  
من العقلاء عن الکفر والعقاب ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور جب ایک شخص کے باقی رہنے کیلئے  
الموید کان اولی وایضا المکره علی کلمہ کفر کا جاری ہونا جائز ہوتا تو اگر عاقلوں کے ایک عالم کی نجات  
نیز انصلوۃ لوصولی حتی قتل استحق کیلئے کفر و عذاب سے ایسا کلمہ بولا جائے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز  
الاجرا العظیم ثم اذا جاء وقت القتال ہو گا اور بھی وہ شخص جو ترک صلوة پر مجبور کیا جائے اگر ناز پر ہے  
مع الکفار و علم انه لو اشتغل انہم اور اس میں قتل ہو جائے تو اسکے لیے اجر عظیم حاصل ہو گا اور  
عسکر الاسلام فہنا یجب علیہ ترک جب کفار سے جنگ کرنے کا وقت آئے اور اسکو یہ معلوم ہو کہ  
الصلوۃ والا اشتغال بالقتال حتی اگر میں نماز میں مشغول رہوں گا تو اسلام کا لشکر شکست کھا جائے گا  
لو یصلوۃ و ترک القتال ثم و ترک لو میں قتل ہو جاؤں اور ترک صلوة کا وقت آئے اور اسکو یہ معلوم ہو کہ  
الصلوۃ و قاتل استحق الثواب بل تو اس جگہ اس پر ترک نماز واجب ہوگی اور جہاد دشمن میں بھی  
نقول من کان فی الصلوۃ فرائی نماز میں مشغول ہو جائے اور ترک قتل کرے تو گنہگار ہو گا  
طفلاً و اعمی اشرف علی عرق اذرتہ اور ترک نماز کرے اور جہاد دشمن میں مشغول ہو جائے تو مستحق  
وجب علیہ قطع الصلوۃ لانفاذ ذلک اجر ہو گا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاد اور انہزام لشکر اسلام کا خون

الطفل مذ ذلک الامعی عن ذلک الطفل مذ ذلک الامعی عن ذلک  
فلذا ہنا ان ابراہیم علیہ السلام فانی میں غرق ہوا جاتا ہے یا آگ میں جلا جا رہا ہے تو ایسے وقت  
تکلم ہندہ الکلمۃ لیظہرن نفسہ وقت تکلم ہندہ الکلمۃ لیظہرن نفسہ وقت  
القوم حتی اذ اور وعلیم الدلیل القوم حتی اذ اور وعلیم الدلیل  
المبطل لقولہم کان قبو لہم نے اس کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا کہ قوم پر یہ ظاہر ہو کہ آپ قوم کی نجات  
لذلک الدلیل اتم را حفا بآئامہ کر رہے ہیں ایسی صورت میں قوم کے دلیس کینہ اور غضب جو مانع  
اکمل و ما یقوی ہذا الوجہ انہ استماع قول ہوتا ہی ہو گا تو ایسے وقت میں جب دلیل ابطال  
تبع حکمی عنہ مثل ہذا الطریق فی قول قوم پر دہا رو کی جا ئیگی تو دلیل زیادہ قائم ہوگی اور فائدہ پہلے  
موضع اخروہ جو قولہ فی نظر نظر فی دلیل کامل تر ہو گا۔ اور ان چیزوں میں سے جو اس وجہ مذکور کو  
فی النجوم فقال انی سقیم فتولوا قوی کرتے ہیں یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے مقام پر بھی اس طرح کا  
عنہ مدبرین و ذلک لانہم کانوا استدلال جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبان فی نقل فرمایا ہے اور  
یستلون بعلم النجوم علی حصول وہاں جہاں ارشاد ہوا ہے کہ نظر نظر فی النجوم فقال انی سقیم  
الحوادث المستقبلیۃ فوا تقم علی یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں  
ہذا الطریق فی النظاہر سے انہ فتولوا عنہ مدبرین جب انہوں نے یہ کہا تو قوم والوں نے انکی طرف سے  
کان برائی فی الباطن و مقصودہ بیٹھ پھیر دیا اور چلنے ہوئے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ حوادث  
ان یتوسد ہذا الطریق علی کے وقوع پر علم غم سے استدلال کیا کرتے تھے جب جناب ابراہیم  
کسر الا صتام فاذا جازت الوافق نے انہیں کے مذاق پر تکلم فرمایا کہ اگر کوئی انکے قول کا یقین لگایا (آؤدہ)  
فی النظاہر ہنا سے انہ کان برائی یہ موافقت جناب ابراہیم علیہ السلام ظاہری تھی باطن میں وہ ہرگز نجوم کو  
فی الباطن فلم لایہجوز ان موثر نہیں سمجھتے تھے انکا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ انکو تنہا چھوڑ کر  
یکون فی مسلقنا کذلک۔ پلے جائیں تو بتوں کے توڑنے کا راستہ بخلے تو جب اس مقام پر  
قوم کی موافقت جائز ہوئی تو ہمارے مسئلہ سمجھتے تھے انہیں قوم کی

تو اور چیز ہے اگر نماز میں ہو اور کسی لڑکے یا اندھے کو دیکھ کر وہ  
بانی میں غرق ہوا جاتا ہے یا آگ میں جلا جا رہا ہے تو ایسے وقت  
پھر معنی پر اس پچھ اور اندھے کے نجات کے لیے غار کا قلعہ کر دینا  
واجب ہو جائیگا یو ہیں مقام بحث میں خیال کرو کہ جناب ابراہیم  
نے اس کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا کہ قوم پر یہ ظاہر ہو کہ آپ قوم کی نجات  
کر رہے ہیں ایسی صورت میں قوم کے دلیس کینہ اور غضب جو مانع  
استماع قول ہوتا ہی ہو گا تو ایسے وقت میں جب دلیل ابطال  
قول قوم پر دہا رو کی جا ئیگی تو دلیل زیادہ قائم ہوگی اور فائدہ پہلے  
دلیل کامل تر ہو گا۔ اور ان چیزوں میں سے جو اس وجہ مذکور کو  
قوی کرتے ہیں یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے مقام پر بھی اس طرح کا  
استدلال جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبان فی نقل فرمایا ہے اور  
وہاں جہاں ارشاد ہوا ہے کہ نظر نظر فی النجوم فقال انی سقیم  
یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں  
فتولوا عنہ مدبرین جب انہوں نے یہ کہا تو قوم والوں نے انکی طرف سے  
بیٹھ پھیر دیا اور چلنے ہوئے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ حوادث  
کے وقوع پر علم غم سے استدلال کیا کرتے تھے جب جناب ابراہیم  
نے انہیں کے مذاق پر تکلم فرمایا کہ اگر کوئی انکے قول کا یقین لگایا (آؤدہ)  
یہ موافقت جناب ابراہیم علیہ السلام ظاہری تھی باطن میں وہ ہرگز نجوم کو  
موثر نہیں سمجھتے تھے انکا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ انکو تنہا چھوڑ کر  
پلے جائیں تو بتوں کے توڑنے کا راستہ بخلے تو جب اس مقام پر  
قوم کی موافقت جائز ہوئی تو ہمارے مسئلہ سمجھتے تھے انہیں قوم کی

موافقت کیوں نہ جائز ہوگی۔

یہ تمام تقریر فخر الدین رازی کی تفسیر کی تجویز بلکہ وجوب پر دال ہے اور انبیاء کے لیے وجوب تفسیر ثابت کرتی ہے وہ بھی کلمہ کفر کے استعمال کے ساتھ۔ تو ہم گروہ شیعہ نہ مرتبہ میں ان سے زائد ہیں نہ کمال انسانی میں نہ مراتب تقرب الہی میں بلکہ لاکھوں درجہ ان سے کم ہیں جب ان کیلئے یہ عیب نہوا حالانکہ انکا دامن عصمت بے داغ تھا تو ہم ایسے امتی لوگوں کیلئے کیا عیب ہوگا بلکہ اس تفسیر کی وجہ سے ہم تابع سنن مرسلین ہوں گے۔ اب ہاں قرآن ہو انبیاء کی نظریں ہو دہاں سعدی کا شعر در دفع اسے برابر مگوزینہ لایا کر سکتا ہے حالانکہ میں سعدی کی طرف سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اس نے یہ مقام تفسیر میں ہرگز نہیں کہا ہے نہ ہر جائے مرکب تو ان پختن کہ جا بسہر بایہ انداختن





# یا صاحب الزمانؑ ادر کنی خدمتگارانِ مکتبِ اہلبیت (ع)

سید حسن علی نقوی

حسان ضیاء خان

سعد شمیم

حافظ محمد علی جعفری

﴿ التماس سورۃ الفاتحہ ﴾

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوزر شہرت بلگرامی ابن سید رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ ام حبیبہ بیگم

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

Hassan

naqviz@live.com